دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

شمارہ:۱۲	ربیع الثانی - جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ مطابق دسمبر ۲۰۲۱ء	جلد: ۱۰۵

مدیر	نگراں
مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 105, Issue No. 12, December 2021 दिसम्बर 2021
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/=	Annual Subscription Rs. 200/=

Annual by Regd Post. Rs. 440/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۴۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپے

فہرست مضامین

حرف آغاز		محمد سلمان بجنوری	۳
اصلاح	توبہ کی حقیقت اوراس کے فوائد	مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی	۶
ورہنمائی	اسلام میں نحوست کے تصورات	مولانا عبدالقوی ذکی حسامی	۱۴
,,	نئی نسل منشیات کے حصار میں	عبدالرشید طلحہ نعمانی	۱۷
تجزیہ و	الفقه على المذاهب الاربعه		
تعارف کتب	كا تجزياتي مطالعه	مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی	۲۳
ردافکار باطلہ	انجینئر محمد علی مرزا: چند گزارشات	مولانا عبدالمتین لیاری	۳۷
ذکر رفتگاں	حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلیؒ	مفتی اسعد قاسم سنبھلی	۴۱
,,	حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہریؒ	مفتی سیّد ابراہیم حسامی قاسمی	۴۹

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/440 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

محمد سلمان بجنوری

۱۰؍دسمبر ۲۰۲۱ء بروز جمعہ، سعودی عرب کی مساجد میں عام طور پر جو خطبہ پیش کیا گیا وہ تبلیغی جماعت کے موضوع پر تھا، جس کا حکم سعودی وزارت مذہبی امور کی جانب سے جاری کیا گیا تھا، اس خطبہ میں مساجد کے خطباء کی زبان سے تبلیغی جماعت کے بارے میں جس موقف کا اظہار کرایا گیا وہ نہایت منفی اور بعض پہلوؤں سے تشویشناک اور دوررس اثرات کا حامل ہے۔اس خطبہ کے مشمولات پر غور کیا جائے تو اس میں تین قسم کی باتیں کہی گئی ہیں:

(۱) کچھ باتیں تو ایسی ہیں جو جماعت کے نظام اور مزاج میں شامل ہیں اور وہ اگر ایک حد کے اندر رہیں تو کوئی ایسی بات نہیں ہے اور اگر اُن میں غلو ہو جائے تو بلاشبہ وہ نکیر کے لائق ہیں اور اہل حق علماء خود اُن پر نکیر کرکے اصلاح کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

(۲) دوسری قسم کی باتیں وہ ہیں جو، سلفی علماء یا غیر مقلدین کی جانب سے نہ صرف تبلیغی جماعت؛ بلکہ تمام ہی علماء دیوبند اور اُن کے منتسبین کے بارے میں، پہلے ہی سے کہی جاتی رہی ہیں مثلاً تصوف کے سلسلوں سے اُن کا تعلق یا اُن کا عقیدۃً ماتریدی ہونا، یا اسماء وصفات الٰہی میں تحریف و تاویل کرنا، یا اپنے فقہی مذہب کی پابندی میں تعصب برتنا، قبروں کی تعظیم کرنا یا بہت سی بدعات کو اختیار کرنا وغیرہ اور اسی قسم کی صحیح یا غلط باتیں۔ یہاں تک کہ تبلیغی جماعت کی برائیوں میں اس کا علماء دیوبند سے انتساب بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ان میں سے بعض باتیں تو بالکل خلاف واقعہ ہیں مثلاً قبروں کی تعظیم یا بدعات کو اختیار کرنا وغیرہ؛ البتہ جو باتیں علماء دیوبند کے مسلک و مذہب کا حصہ ہیں مثلاً تقلید ائمہ کو ضروری سمجھنا، عقائد میں ماتریدی ہونا، تصوف سے اشتغال اور اس کے سلسلوں سے تعلق (جو علماء دیوبند کے یہاں پورے طور پر شریعت کے تابع اور تزکیہ کے مرادف ہے اور اس کا مقصد صرف شریعت پر عمل کی عادت ڈالنا اور تقوے حاصل کرنا ہے) تو یہ تمام چیزیں وہ ہیں جن کا ہم اپنے یا جماعت کے بارے میں بے تکلف

اقرار واعلان کر سکتے ہیں اور ان موضوعات پر بہت کچھ کیا اور لکھا جاچکا ہے اور حسب ضرورت آئندہ بھی یہ کام ہوتا رہے گا۔

ان دونوں عناصر کے اعتبار سے اس خطبے میں کوئی نئی بات نہیں کہی گئی ہے؛ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ سعودی عرب میں انہی بنیادوں پر تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی کی صورت حال پہلے سے قائم ہے۔

(۳) ان سب باتوں سے بڑھ کر اس خطبہ کا وہ حصہ ہے جس میں تبلیغی جماعت کے بارے میں ایک بالکل نئی بات کہی گئی ہے یا صحیح الفاظ میں نیا الزام لگایا گیا ہے جو اب تک کسی غیر مسلم حکومت کی جانب سے بھی نہیں لگایا گیا تھا اور وہ ہے دہشت گردوں کا تعاون اور ملک میں بدامنی و بے اطمینانی پھیلانے کا الزام اور یہ بات مجمل یا سرسری انداز میں نہیں؛ بلکہ باقاعدہ پوری وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے؛ چنانچہ ایک جگہ تو کہا گیا ہے کہ: اس جماعت کے ہماری مملکت میں موجود رہنے سے ہمارے لیے بہت سے خطرات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ ہمارے معاشرے کو دو حصوں میں تقسیم کردیتی ہے ایک تو وہ جو ہمارے بادشاہ اور ولی امر کی بیعت واطاعت کے پابند ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو جماعت کے اُس امیر کی بیعت کے پابند ہیں جو ہندوستان یا پاکستان یا بنگلہ دیش یا قطر میں موجود ہے اس طرح گویا سعودی معاشرہ انتشار کا شکار ہوتا ہے۔

اس کے بعد کچھ دوسری باتیں ذکر کرکے آخر میں یہ الزام لگایا گیا ہے کہ یہ جماعت، دہشت گرد اور تکفیری گروہوں کی مدد کرتی ہے جو کبھی قصداً اور کبھی بلاقصد ہوتی ہے اور اس جماعت کو سیاسی خطرہ نہ سمجھے جانے کی وجہ سے دہشت گرد اور تکفیری گروہ اس میں شامل ہوکر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس ضمن میں باقاعدہ کچھ واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان میں سے پہلی بات کے بارے میں تو ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ وہ غلط فہمی پر مبنی ہے، اس لیے کہ تبلیغی جماعت کے لوگوں کا اپنے امیر سے تعلق صرف جماعتی اور دعوتی امور کی رہنمائی کے سلسلے میں ہوتا ہے اس کا سیاست یا حکومت سے یا کسی حکومت کی مخالفت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے اور نہ جماعت کسی بھی قسم کے سیاسی امور سے تعلق رکھتی ہے۔ تبلیغی جماعت کا یہ کردار اتنا واضح ہے کہ اپنے پرائے سب اس سے واقف ہیں۔

جہاں تک دہشت گردی کے تعاون کی بات ہے وہ تو ایک ایسا بے بنیاد الزام ہے جو اس جماعت کے مزاج پر منطبق ہی نہیں ہوتا۔ اگر سعودی عرب کے کسی حادثے کے ذمہ داران یا کسی دہشت گرد تنظیم کے کارکنان میں سے کسی کا پرانا تعلق تبلیغی جماعت سے ثابت بھی ہوا ہو تب بھی اُن کی اُس سرگرمی کا ذمہ دار تبلیغی جماعت کی فکر ومزاج کو قرار نہیں دیا جاسکتا؛ بلکہ بعد کی کوئی تربیت یا

صحبت اس کی ذمہ دار ہوگی ہاں اگر غور کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کا تبلیغی جماعت سے تعلق باقی رہتا تو وہ کسی غیرقانونی سرگرمی میں ملوث نہ ہوتے، اُن کی بعد والی غلطیوں کے لیے جماعت سے اُن کے قدیم تعلق کو ذمہ دار نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس لیے ہم سعودی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس خطبے کے مشمولات پر اور اس کی اشاعت پر روک لگادے اور کسی بھی چیز کے جاری کرنے سے پہلے متعلقہ افراد، جماعات یا دیگر معتبر تنظیموں اور اُن کے ذمہ داروں سے تفصیلی تبادلۂ خیال کا اہتمام کیا جائے اور یہ کام اُن کے لیے مشکل بھی نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ اُن کی نظر اس بات پر بھی رہنا ضروری ہے کہ اُن کے اس طرح کے اقدامات، مسلم اقلیتی ممالک میں مسلمانوں کے لیے سنگین مسائل کا سبب بن سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں اطمینان کی بات یہ ہیکہ اس مسئلے پر ہندوستان اور پڑوسی ممالک کے اہم اور ذمہ دار علماء اور تنظیموں نے عمومی طور پر یکساں موقف کا اظہار کیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم نے فوری طور پر ایک مؤثر اور واضح بیان جاری کیا، اسی طرح صدرالمدرسین حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم نے سعودی سفیر سے ملاقات کرکے صورت حال کو واضح کیا، اس کے علاوہ دیگر ملی رہنماؤں، تنظیموں اور علماء نے نیز دیگر ملکوں کے ذمہ دار حضرات نے بھی اسی قسم کی کوششیں کی ہیں، جو یقیناً بارآور ہوں گی۔

اس موقع پر تبلیغی جماعت کے ذمہ داران وکارکنان سے یہ امید رکھنا بے جا نہیں ہوگا کہ وہ بھی تمام معاملات پر گہری نظر رکھیں اور علمی وفکری اور عملی معاملات میں اکابر علماء دیوبند کے طریق پر کاربند رہ کر کام کریں اور علماء کرام کی مشاورت سے بھی غافل نہ رہیں تاکہ اکابر کا جاری کیا ہوا یہ سلسلۂ خیر ہر قسم کی خرابیوں سے محفوظ رہ کر جاری رہے۔

❊ ❊ ❊

توبہ کی حقیقت اور اس کے فوائد

از: مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی
مون ریز ٹرسٹ اسکول، زامبیا

آدمی سے خطا ونسیان اور گناہ ومعصیت کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ اگر کسی آدمی سے گناہ ہوجائے؛ تو اس کی تلافی کے لیے اللہ تعالی نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ قرآن وحدیث میں بار بار امت مسلمہ کو توبہ واستغفار کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مسلمانوں کے حق میں، توبہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ آدمی سے جب بھی کوئی گناہ ہوجائے؛ تو اسے فوراً سچی توبہ کرنی چاہیے۔ پھر اس کے نتیجہ میں اللہ تعالی بندے کے اس گناہ کو معاف فرمادیتے ہیں اور بندہ پاک صاف ہوجاتا ہے۔ توبہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کیا شرطیں ہیں؟ اس کے فوائد کیا ہیں؟ سچی توبہ کسے کہتے ہیں؟ اس حوالے سے چند سطریں ذیل میں لکھی جارہی ہیں۔

توبہ کی حقیقت

توبہ کے معنی لوٹنے اور واپس ہونے کے ہیں۔ جب اس لفظ کی نسبت کسی بندے کی طرف ہوتی ہے، تو اس وقت اس کا معنی اپنے گناہ وخطا کو چھوڑ دینا اور اپنے کیے ہوئے پر نادم وپشیماں ہونا ہوتا ہے۔ توبہ کی اصطلاحی تعریف کے حوالے سے علامہ آلوسیؒ (۱۸۰۲-۱۸۵۴ء) فرماتے ہیں: ”النَّدَمُ وَالإِقْلاَعُ عَنِ الْمَعْصِيَةِ مِنْ حَيْثُ هِيَ مَعْصِيَةٌ، لا؛ لأَنَّ فِيهَا ضَرَرًا لِبَدَنِهِ وَمَالِهِ، وَالْعَزْمُ عَلَى عَدَمِ الْعَوْدِ إِلَيْهَا إِذَا قَدَرَ“. (روح المعانی ۲۸/۱۵۸) ترجمہ: بندہ اپنے گناہوں سے باز آجائے اور اپنے کیے ہوئے پر نادم وپشیماں ہو اور گناہ سے یہ توبہ اس وجہ سے ہو کہ وہ گناہ ہے؛ اس لیے نہ ہو کہ اس میں کوئی جانی ومالی نقصان ہے اور یہ عزم وارادہ کرے کہ حتیٰ المقدور دوبارہ یہ گناہ نہیں کرے گا۔

توبہ کی شرطیں

توبہ کے لیے کچھ شرطیں بھی ہیں۔ اگر توبہ کرنے والا ان شرطوں کو ملحوظ رکھ کر، توبہ کرتا ہے، تو امید ہے کہ وہ توبہ اس کے لیے مفید اور نافع ہوگی۔ اگر توبہ کرنے والا ان شرائط کا لحاظ نہیں کرتا ہے، تو ممکن ہے کہ وہ توبہ مفید اور ثمر آور نہ ہو۔ توبہ کی قبولیت کے لیے کتابوں میں متعدد شرطیں مذکور ہیں۔ مگر اس حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو چھ شرطیں بیان کی ہے، وہ نہایت ہی جامع ہیں اور سب کے نزدیک مسلم ہیں۔ وہ شرطیں یہ ہیں:

(۱) اپنے گزشتہ برے عمل پر ندامت، (۲) جو فرائض و واجبات اللہ تعالی کے چھوٹے ہیں، ان کی قضا، (۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا، تو اس کی واپسی، (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی، تو اس سے معافی، (۵) آئندہ اس گناہ کے پاس نہ جانے کی پختہ عزم وارادہ (۶) اور یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے، اب وہ اطاعت کرتے ہوئے دیکھ لے۔ (معارف القرآن: ۸/۵۰۶)

تنبیہ

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ کے بعد، توبہ کرلینے سے گناہ معاف ہوجاتا ہے؛ مگر یہ بات قابل غور ہے کہ اگر کسی نے کسی بندہ کا حق مار رکھا ہے یا کسی کا حق زور زبردستی چھین لیا ہے؛ تو اس صورت میں صرف توبہ اور ندامت و پشیمانی کافی نہیں ہوگا؛ بل کہ جس بندہ کا حق مارا گیا ہے یا چھینا گیا ہے؛ اس کا حق ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ پھر جا کر توبہ قبول ہوگی۔ موسوعہ فقہیہ میں ہے: ''توبہ بمعنی گذشتہ اعمال پر ندامت اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم وارادہ، حقوق العباد میں سے کسی کا حق ساقط کرنے کے لیے کافی نہیں ہوگی؛ چناں چہ اگر کوئی کسی کا مال چرائے یا اس کو غصب کرلے یا کسی اور طرح سے برا سلوک کرے؛ تو محض ندامت و پشیمانی اور گناہوں سے رک جانے اور دوبارہ نہ کرنے کے عزم سے ان مسائل سے وہ بری الذمہ نہیں ہوسکتا؛ بلکہ حق کا ادا کرنا ضروری ہے یہ فقہاء کے یہاں متفق علیہ مسئلہ ہے''۔ (موسوعہ فقہیہ: ۱۴/۱۵۷)

توبہ کا شرعی حکم

جب گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوجائے؛ تو اس سے توبہ کرنا فرض ہے۔ یہ واضح رہے کہ تمام کبیرہ

گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص صرف بعض گناہوں سے توبہ کرتا؛ تو اہل حق کے نزدیک ان گناہوں سے اس کی توبہ درست ہے اور باقی گناہوں سے توبہ کرنا، اس کے ذمے باقی رہے گا۔ توبہ کا شرعی حکم یہ ہے کہ توبہ کرنا فرض ہے۔ یہ حکم قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ علماء کرام نے توبہ کی فرضیت کی دلیل میں اس آیت کریمہ کو پیش کیا ہے: ﴿وَتُوبُوا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (نور: ۳۱) ترجمہ: ''اور اے مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو؛ تاکہ تمھیں فلاح نصیب ہو۔'' ایک حدیث شریف میں ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا، ..... (سنن ابن ماجۃ، برقم: ۱۰۸۱) ترجمہ: ''اے لوگو! مرنے سے پہلے تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو'' .....۔

توبہ کب تک؟

جب بندہ اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِى يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾ (شوریٰ: ۲۵) ترجمہ: ''اور وہی ہے جو اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اس کا پورا علم رکھتا ہے''۔ جہاں تک توبہ کی قبولیت کے وقت کی بات ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک توبہ قبول فرمائیں گے؛ جب تک کہ قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی یعنی سورج کا پچھم سے طلوع ہونا شروع نہ ہوجائے۔ روایت میں ہے: مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تطلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مغْرِبِهَا تَابَ اللّٰه عليه. (صحیح مسلم، برقم: ۲۷۰۳) اللہ پاک اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرمائیں گے، جب تک اس بندے میں موت کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں۔ حدیث میں ہے: إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ العَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ. (سنن ترمذی، برقم: ۳۵۳۷) ترجمہ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی توبہ قبول کرتا ہے؛ جب تک کہ وہ جان کنی کی حالت میں نہ چلا جائے۔''

فوراً توبہ کیجیے

آدمی سے گناہ ومعصیت کا ہونا فطری بات ہے؛ مگر جوں ہی ہمیں احساس ہو کہ ہم نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے؛ تو اس کی تلافی کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہمیں بدکار اور فاسق وفاجر شخص کی طرح گناہ سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے، گناہ کو معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہمیں مومن جیسے اوصاف اپنانے

چاہیے۔ جب ہم سے کسی گناہ کا صدور ہو جائے؛ تو ہمیں اس گناہ کو پہاڑ جیسا بوجھ سمجھنا چاہیے اور اس سے فوراً توبہ کرنی چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: إِنَّ المُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ قَاعِدٌ تَحتَ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى أَنْفِهِ. (صحیح بخاری، برقم: ۶۳۰۸) ترجمہ: بے شک مومن اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے، جیسا کہ وہ کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ڈر رہا ہے کہ وہ اس پر گر پڑے؛ جب کہ بدکار اپنے گناہوں کو اس مکھی کی طرح دیکھتا ہے جو اس کی ناک پر سے گزر گئی۔

ہمیں پتہ نہیں کہ کب ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں؛ اس لیے ہمیں توبہ کرنے میں کوتاہی نہیں برتنی چاہیے؛ بلکہ عجلت سے کام لینا چاہیے۔ توبہ کے بعد، ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری توبہ قبول فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت ہر وقت ہمارے توبہ کی منتظر ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف مسلمان؛ بلکہ توبہ کے بعد، کفار ومشرکین کو بھی معاف فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نصاری کے کفر وشرک کو بیان کرنے کے بعد، قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (مائدہ: ۷۴) ترجمہ: ''کیا پھر بھی یہ لوگ معافی کے لیے اللہ کی طرف رجوع نہیں کریں گے اور اس سے مغفرت نہیں مانگیں گے؟ حالاں کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے''۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۸۸۷-۱۹۴۹ء) فرماتے ہیں: ''یہ اسی غفور رحیم کی شان ہے کہ جب ایسے ایسے باغی اور گستاخ مجرم بھی جب شرمندہ ہو کر اور اصلاح کا عزم کر کے حاضر ہوں؛ تو ایک منٹ میں عمر بھر کے جرائم معاف فرما دیتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

توبہ نصوح کیجیے

گناہ کے ارتکاب کے بعد، ہمیں اپنے رب کے سامنے ''توبہ نصوح'' کرنی چاہیے۔ قرآن کریم میں ''توبہ نصوح'' کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ توبہ نصوح کیا ہے؟ ایک روایت میں ''توبہ نصوح'' کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے: "أَن يندَم العَبْد على الذَّنب الَّذِى أَصَاب فيعتذر إِلَى اللّٰه ثمَّ لَا يعود إِلَيْهِ كَمَا لَا يعود اللَّبن إِلَى الضَّرع". (الدر المنثور: ۸/ ۲۲۷) ترجمہ: ''کہ بندہ اس گناہ پر نادم ہو جس کا اس نے ارتکاب کیا؛ پھر اللہ کے سامنے معذرت پیش کرے، پھر بندہ اس گناہ کی طرف نہ لوٹے جیسا کہ دودھ تھن میں نہیں لوٹتا''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک توبہ نصوح یہ ہے: "الندم بالقلب، والاستغفار باللسان، والإقلاع بالبدن، والإضمار

علی أن لا یعود". (القاموس الفقہی، ص:۵۰) ترجمہ: دل میں گناہ پر شرمندگی ہو، زبان سے استغفار کرے، بالکلیہ گناہ ترک کردے اور دوبارہ اسے نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔

توبہ نصوح کے بعد، اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر جو احسان فرمائیں گے، اس کا ذکر بھی اسی آیت کریمہ میں فرماتے ہیں جس میں توبہ نصوح کا حکم ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾. (التحریم:۸) ترجمہ: اے ایمان والو تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو، امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کردے گا، اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مسلمان ان کے ساتھ ہیں ان کو رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا، یوں دعا کرتے ہونگے کہ اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھیے اور ہماری مغفرت فرمادیجیے! آپ ہر شئے پر قادر ہیں۔

معافی اور توبہ کی ہدایت

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: ﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ﴾. (ہود:۳) ترجمہ: ''اور یہ (ہدایت دیتا) کہ اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو اور پھر اس کی طرف رجوع کرو''۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے ہیں کہ جب بندہ سے گناہ سرزد ہوجائے؛ تو وہ اسی حالت میں رہے۔ اللہ تعالیٰ اتنے رحیم وکریم ہیں کہ ہدایت دیتے ہیں کہ گناہ کے بعد، بندے ان سے معافی مانگیں اور توبہ کرکے پاک وصاف ہوجائیں۔ مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی (۱۸۹۷-۱۹۷۶ء) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اپنے رب سے مغفرت اور معافی مانگا کریں اور توبہ کیا کریں۔ مغفرت کا تعلق پچھلے گناہوں سے ہے اور توبہ کا تعلق آئندہ ان کے پاس نہ جانے کے عہد سے ہے۔ اور درحقیقت صحیح توبہ یہی ہے کہ پچھلے گناہوں پر نادم ہوکر اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی طلب کرے اور آئندہ ان کے نہ کرنے کا پختہ عزم وارادہ کرے۔'' (معارف القرآن: ۵۸۶/۴)

دل کو زنگ آلود ہونے سے بچانا

انسان گناہ کرتا ہے،تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے۔ جب وہ توبہ واستغفار کرتا ہے؛ پھراس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے۔ مگر کوئی شخص توبہ نہ کرے؛ بل کہ مستقل گناہ کرتا رہے؛ تو وہ نقطہ بڑھتا چلا جاتا، یہاں تک کہ اس کا دل زنگ آلود ہو جاتا ہے، پھر حق قبول کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جب بھی ہم سے کوئی گناہ ہو جائے؛ تو ہمیں فوراً توبہ کر کے دل کو زنگ آلود ہونے سے بچانا چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”إِنَّ العَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ، وَهُوَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ“ ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾. (المطففين: ١٤)(سنن ترمذی: برقم:۳۳۳۴) ترجمہ:”بے شک جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے؛ تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل میں لگا دیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ گناہ چھوڑ دیتا ہے اور استغفار وتوبہ کرتا ہے، تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے۔ اور (بغیر توبہ کیے ہوئے) دوبارہ گناہ کرتا ہے؛ تو اس نقطہ میں زیادتی کر دی جاتی ہے؛ تا آں کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ اسی کو”ران“ کہتے ہیں جسے اللہ تعالی (قرآن کریم میں) بیان فرمایا ہے: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ“۔ (ترجمہ: ہرگز نہیں، بل کہ جو عمل یہ کرتے رہے ہیں، اس نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے)۔

کثرت سے توبہ کرنے کا حکم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لوگوں کو کثرت سے توبہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ آپ ﷺ ایک حدیث میں، توبہ کے حوالے سے اپنے عمل کا اظہار فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ دن بھر میں سو مرتبہ توبہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی ذات مبارک گناہوں اور خطاؤں سے پاک تھی۔ آپ ﷺ معصوم ومغفور تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ کثرت سے توبہ کرتے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کی امت یہ سیکھے کہ جب آپ ﷺ مغفور ومعصوم ہو کر بھی اتنی کثرت سے توبہ کرتے ہیں؛ تو ہمیں تو اور زیادہ توبہ واستغفار کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ہم سے چھوٹے بڑے بے شمار گناہ شب وروز ہوتے رہتے ہیں۔ حدیث میں ہے: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ! تُوبُوا إِلَى اللهِ، فَإِنِّي أَتُوبُ فِي الْيَوْمِ إِلَيْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ“. (صحیح مسلم، برقم:۲۷۰۲) ترجمہ:”اے لوگو! خدا کے سامنے توبہ کرو؛ کیوں کہ میں دن

بھر میں سو بار توبہ کرتا ہوں‘‘۔ایک دوسری روایت میں ہے: ”وَاللّٰهِ إِنِّی لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، وَأَتُوبُ إِلَيْهِ، فِی الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً“. (صحیح بخاری، برقم:۶۳۰۷) ترجمہ:’’خدا کی قسم! میں ایک دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ تعالی کے سامنے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔‘‘

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں دن بھر میں سو مرتبہ اور دوسری میں ستّر سے بھی زیادہ مرتبہ توبہ کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ عدد کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ صرف سو بار یا ستّر بار ہی توبہ کرتے تھے؛ بل کہ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کثرت سے دن رات توبہ کرتے تھے، اس سے امت کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ بھی کثرت سے توبہ کریں۔

رات و دن توبہ کا انتظار

اللہ تعالی اتنے سخی اور کریم ہیں کہ اپنے بندے کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ گناہوں کی گٹھڑی لے کر، کب ہمارے در پر آئے گا اور توبہ کرے۔ آپ اتنے کریم وغفور ہیں کہ آپ ہر وقت اپنے بندوں کی توبہ کا انتظار کرتے ہیں چاہے وہ دن میں توبہ کریں یا رات میں توبہ کریں۔ جب بندہ توبہ کرتا ہے؛ تو پروردگار کو خوشی ہوتی ہے۔ ذات باری تعالی اس بندے سے راضی ہوجاتے ہیں اور اپنی غفاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اس بندے کی گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: ”إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ، حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا“. (صحیح مسلم، برقم:۲۷۵۹) ترجمہ:’’اللہ پاک رات میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے؛ تاکہ دن کے گنہ گار توبہ کرلیں اور اپنا ہاتھ دن میں پھیلاتا ہے؛ تاکہ رات کے گنہ گار توبہ کرلیں، یہاں تک کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہونے لگے‘‘۔یعنی قیامت کے قریب تک اللہ پاک ایسا کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالی کا اپنے ہاتھ کو پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندے کی توبہ سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑے سخی وکریم ہے اور اس کی رحمت بہت وسیع ہے گناہوں کو معاف کرتے ہیں اور گناہوں کو معاف کر کے خوش ہوتے ہیں۔

توبہ ایک پسندیدہ عمل

توبہ اللہ تعالی کی نظر میں ایک پسندیدہ عمل ہے۔ جو شخص گناہ اور معصیت کے بعد توبہ کرتا ہے؛ تو

اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتے ہیں: ”لَوْلَا أَنَّكُمْ تُذْنِبُونَ لَخَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا يُذْنِبُونَ يَغْفِرُ لَهُمْ“. (صحیح مسلم، برقم: ۲۷۴۸) ترجمہ: ’’اگر تم گناہ کا ارتکاب نہ کرو؛ تو اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمائیں گے جو گناہ کا ارتکاب کرے گی، (پھر توبہ کرے گی اور) اللہ تعالیٰ انھیں معاف کردیں گے۔‘‘

ایک حدیث شریف میں توبہ کرنے والے کو اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے، جس کے ذمے کوئی گناہ ہو ہی نہیں۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ”التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ، كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ“. (سنن ابن ماجۃ، برقم: ۴۲۵۰) ترجمہ: ’’گناہ سے توبہ کرنے اس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔‘‘

اللہ تعالیٰ توبہ سے بے انتہا خوش ہوتے ہیں

اللہ پاک توبہ کرنے والے بندے سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جس نے اپنا گم شدہ اونٹ پالیا ہو۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ”اَللّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ سَقَطَ عَلَى بَعِيرِهِ وَقَدْ أَضَلَّهُ فِي أَرْضِ فَلَاةٍ“. (صحیح بخاری، برقم: ۶۳۰۹) ترجمہ: ’’اللہ پاک اپنے بندے کی توبہ سے تم میں سے اس شخص کے مقابلے میں زیادہ خوش ہوتا ہے، جس نے اپنا اونٹ پالیا ہو؛ جب کہ وہ اسے ایک چٹیل میدان میں گم کرچکا تھا۔‘‘

اس تحریر کا اختتام ایک قرآنی آیت پر کیا جارہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اگر بندہ کبائر اور بڑے گناہوں سے خود کو بچالیتا ہے؛ تو اس کے چھوٹے گناہوں کو رحیم وکریم مولا خود ہی معاف کردیں گے اور اس بندے کو ایک باعزت جگہ میں داخل کریں۔ اس باعزت جگہ کا مطلب جنت ہے۔ آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیں: ”إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ، وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا“ (نساء: ۳۱) ترجمہ: ’’اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو، جن سے تمھیں روکا گیا ہے؛ تو تمھاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کردیں گے اور تم کو ایک باعزت جگہ داخل کریں گے۔‘‘ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور جنت میں داخل فرمائے!

❁ ❁ ❁

اسلام میں نحوست کے تصورات

از: مولانا عبدالقوی ذکی حسامی
استاذ دارالعلوم رشیدیہ، مہدی پٹنم، حیدرآباد

اسلام ایک پاکیزہ مذہب ہے، جس کا خالق اللہ ہے، وہ یحب النظافة والی صفت کا حامل ہے، اس دین کے مبلغ و پیغامبر حضرت محمد ﷺ ہیں، جو نفاست ولطافت، نزاکت ولطافت کے اونچے کردار کے علمبردار تھے، قرآن مجید اسی دین کی آخری کتاب ہے جس کی تبریک کی طلبگار ساری انسانیت ہے، جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام کے مصادر وماخذ ہر اعتبار سے صاف وستھرے معیار پر فائز ہیں، تو پھر انھیں سے متشرح احکامات، ارشادات، اوامر ونواہی میں نحوست کا تصور کہاں سے درآیا ہے، سچ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کی رسومات دوبارہ عود کرآرہی ہیں، بنیادی طور پر مسلم معاشرہ میں نحوست کا جو تصور بالخصوص طبقہ خواتین میں جو پایا جاتا ہے اس کی دو وجوہات ہیں ایک یہ کہ اسلامی تعلیمات کی کمی یا اس سے عدم واقفیت ہے؛ بلکہ بہت سے تو اسلام کی ابجد ہی سے نابلد ہوتے ہیں، دوسری وجہ اغیار سے غیر ضروری قربت اور تعلقات میں بے احتیاطی، ان کے رسومات وتقریبات کا ماحول، خوشی وغم کا منظر کسی مضبوط دینی اساس کے بغیر دیکھا جائے تو نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ مسلمان کہے جانے والا بھی تاریخ، مہینہ، دیگر کائنات ارضی پر موجود بے جان چیزوں اور پرندوں میں بھی نحوست خیال کرے گا، ماقبل اسلام اہل عرب بہت سی چیزوں میں نحوست کا تصور رکھا کرتے تھے، اور یہ اسوقت عام سی بات تھی، مثلاً خانہ کعبہ میں چند تیروں کو ”نعم“ یا ”لا“ سے مختص کرلیتے اور اس کو بذریعہ قرعہ اٹھاتے، اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے، سفر کی روانگی پر دیکھا جاتا تھا کہ سامنے کے درخت پر اگر کوئی پرندہ ہوتو اس کو اڑادیا جاتا تھا اگر وہ دائیں جانب پرواز کرے تو سفر کی کامیابی کی ضمانت ہوتی، بائیں سمت اگر وہ پرندہ چلا جائے تو سفر میں نقصان ہونے کا اندیشہ کیا کرتے تھے، آقا

ﷺ نے اس کی نفی فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ اقروا الطیور علی مکانتھا۔ پرندوں کو اپنی جگہ پر بیٹھے رہنے دو۔ اسی طرح زمانۂ جاہلیت کا ایک عقیدہ تعدیہ کا تھا، یعنی بیماریاں ایک دوسرے میں متعدی ہوتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا لاعدوی (تعدیہ کوئی چیز نہیں) تعدیہ کے متعلق ایک دیہاتی نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ اونٹ رتیلے علاقوں میں ہرنوں کی طرح تیز وطرار رہتے ہیں انھیں کوئی بیماری نہیں ہوتی ہے؛ لیکن ایک خارش زدہ اونٹ ان کے درمیان آکر گھل مل جاتا ہے تو وہ سب کو خارش زدہ کردیتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا فمن اعدی الأول پہلے اونٹ کو کس نے خارش دی، جب پہلے والے اونٹ کو خارش من جانب اللہ خارش ہوئی تو انھیں بھی اللہ کے حکم سے ہوئی ہے۔ (البخاری ۵۷۱۷) ''الّو'' جو ایک پرندہ ہے اس کے متعلق یہ خیال تھا کہ مردے کا جسم جب ''گل سڑ'' جاتا ہے تو اس کی ہڈیاں ''اُلو'' کی شکل میں میت کے گھر کے اطراف میں گھومتی ہیں، آپ ﷺ نے ولاھامۃ فرماکر اس نحوست والے نظریہ کو بھی ختم کردیا یہ کوئی چیز نہیں ہے، بالکل یہی نظریہ آج شکل کی تبدیلی کے ساتھ یہ رکھا جاتا ہے کہ شب معراج، شب برأت میں مُردوں کی روحیں اپنے اپنے گھر آیا کرتی ہیں؛ لہٰذا اشیائے خوراکی میں اضافی چیزیں بڑھائی جائے وغیرہ۔ اسی طرح ایک عقیدہ صفر سے متعلق یہ موضوع روایت کے ذریعہ مشہور کردیا گیا من بشرنی بخروج صفر بشرتہ بالجنۃ۔ جو شخص مجھے صفر کا مہینہ ختم ہونے کی خوشخبری دے میں اسے جنت کی خوش خبری دوں گا، تمام علماء اس کے موضوع ہونے پر متفق ہیں، اس کے علاوہ ماہ صفر کو منحوس سمجھنا، اس میں کسی قسم کی دعوت محض اس بنا پر نہ کرنا کہ اس ماہ میں اگر دعوت کی جائے گی تو نحوست آجائے گی، اس ماہ میں عقد نکاح یا پیغام نکاح یا سفر وغیرہ کا کرنا منحوس سمجھا جاتا ہے، بعض ایام کو بابرکت خیال کرنا اور بعض کو منحوس تصور کرنا جیسے ''تین تیرہ آٹھ اٹھارہ'' کے ایام، یا ماہ صفر کو سرے سے منحوس گردانا، یہ اس دور میں جاہل لوگوں کا ایک وطیرہ بن گیا ہے؛ حالانکہ نبی ﷺ نے اس کی خوب تردید فرمائی اور فرمایا ولاصفر، تیرہ تیزی کی کوئی حقیقت نہیں، ذرا اس جیسے عقیدہ رکھنے والوں کو دعوت فکر دیتا ہوں کہ قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا إن عدۃ الشھور عند اللّٰہ اثنا عشر شھرًا یوم خلق السمٰوٰت والارض (التوبۃ) یعنی یہ مہینے اللہ کے یہاں آسمان وزمین کی تخلیق کے وقت ہی سے شمار کیے جاتے تھے، تو نحوست کہاں سے گھس گئی، اہل عرب اس کا بھی تصور رکھا کرتے تھے کہ جنگلوں اور بیابانوں میں بھوت پریت نظر آتے ہیں جو لوگوں کو گم کردہ راہ کردیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ولا غول، بدشگونی لینا بدفالی لینا، بلی کا

سامنے سے گذر جانے کو منحوس سمجھنا، کوے کا گھر پر چیخ و پکار کرنے کو مہمان کی آمد خیال کرنا یہ اور اس جیسی بے ہودہ باتیں مسلم معاشرہ میں پائی جاتی ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا الطیرۃ شرك بدشگونی لینا یا بدفالی لینا اعمال شرکیہ ہیں، جہالت کی انتہا، یہ ہے کہ اس وقت بازاروں میں ایک مصنوعی مشین رکھی رہتی ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اس پر کھڑے ہوکر اپنے دل کی کیفیات سے باخبر ہوجائے، کس قدر عقل وشعور سے عاری ہونے کی دلیل ہے۔ دین اسلام کی تعبیر وتشریح، تفسیر وتحقیق کسی ٹیکنالوجی کے واسطے سے نہیں لی جاسکتی، اگر شریعت مطہرہ کی تعلیم ذرائع حقہ سے نہ لی جائے تو جائز وناجائز کا کوئی پیمانہ نہیں رہ جائے گا۔

(مستفاد از مضمون۔ مفتی رفیع الدین حنیف)

نئی نسل منشیات کے حصار میں

از: عبدالرشید طلحہ نعمانی

نئی نسل کسی بھی ملک کی معاشی، تعلیمی، اقتصادی اور سماجی فلاح و بہبود و ترقی میں ریڑھ کی ہڈّی کی حیثیت رکھتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جوانی وہ عرصۂ حیات ہے؛ جس میں اِنسان کے قویٰ مضبوط اور حوصلے بُلند ہوتے ہیں۔ ایک باہمت جوان پہاڑوں سے ٹکرانے، طوفانوں کا رخ موڑنے اور آندھیوں سے مقابلہ کرنے کا عزم رکھتا ہے؛ اسی لیے شاعر اسلام علامہ اقبال سمیت متعدد شعرا نے نئی نسل کو اپنی توقعات کا محور بنایا ہے اور بہ راہ راست ان سے خطاب کرتے ہوئے ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے۔ ایک موقع پر اقبال مرحوم اپنے رب سے یوں دعا کرتے ہیں۔

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
میرا نورِ بصیرت عام کردے

ہم اگر ماضی پر نظر دوڑائیں تو اندازہ ہوگا کہ ایک زمانہ تھا جب اسکولوں، کالجوں میں کھیل کے میدان ہوتے تھے، جہاں کھیلوں کے مقابلے منعقد کیے جاتے تھے، اس میں ہر طبقے کے بچّے شامل ہوتے تھے، ان کھیلوں کے ذریعے صبر و برداشت، دوڑ دھوپ اور مقابلہ کرنے کے جذبات پیدا ہوتے تھے؛ مگر افسوس کہ آج ہمارے نوجوان جہد و عمل سے کوسوں دور انٹرنیٹ اور منشیات کے خوف ناک حصار میں جکڑے ہوئے ہیں، انھیں اپنے تابناک مستقبل کی کوئی فکر نہیں، وہ اپنی متاع حیات سے بے پرواہ ہوکر تیز گامی کے ساتھ نشہ جیسے زہر ہلاہل کو قند سمجھ رہے ہیں اور ہلاکت و بربادی کے گھاٹ اتر رہے ہیں۔ اب تو سگریٹ وشراب نوشی کی وجہ مجبوری یا ڈپریشن نہیں ہے؛ بل کہ ہم

عصروں اور دوستوں کو دیکھ کر دل میں انگڑائی لینے والا جذبۂ شوق ہے، جو نوجوانوں کو تباہ و برباد، ان کے زندگی کو تاریک و اندھیر اور ان کی جوانی کو بہ تدریج کھوکھلا کرتا جارہا ہے۔

دوسروں کی دیکھا دیکھی ایک دو بار نشہ استعمال کرنے والا فرد کچھ عرصے بعد یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اسے نشہ ہر حال میں استعمال کرنا ہے پھر وہ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اس کی تلاش، خرید اور استعمال میں صرف کر دیتا ہے اور چاہ کر بھی اس عمل کو روک نہیں سکتا چاہے اس کی زندگی کے اہم معاملات (خاندان، اسکول، کام) بھی اس کی وجہ سے متاثر ہو رہے ہوں۔ الا ماشاء اللہ

اسباب و وجوہات

بوڑھوں اور عمر رسیدہ افراد میں منشیات استعمال کرنے کی وجہ جو ہو سو ہو؛ مگر اکثر بچے اور نوجوان، والدین کی غفلت اور ان کے سرد رویے کی وجہ سے نشے کی لت کا شکار ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ تو غلط صحبت کا اثر انھیں لے ڈوبتا ہے۔ کبھی کبھی مسائل سے چشم پوشی اور حقیقت سے فرار حاصل کرنے کے لیے بھی نشہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ نوجوان نسل فیشن کے طور پر سگریٹ نوشی یا دیگر نشہ آور اشیاء کا استعمال شروع کرتی ہے۔

ہمارے معاشرہ میں منشیات اور دیگر فواحش کے فروغ کی بنیادی وجہ مغرب کی اندھی نقالی اور غلامی کا مزاج ہے، اسلام کا مکمل علم نہ ہونے، اپنی دینی تعلیمات پر بصیرت و اعتماد نہ ہونے اور روح کے بجائے مادے کو ترجیح دینے کے مزاج کی وجہ سے امت کی اکثریت مغرب کی مادر پدر آزاد تہذیب اور منکرات سے لبریز کلچر کی اندھا دھند نقالی اور غلامی کر رہی ہے۔ اسی مغرب پرستی نے ہمارے سماج میں دیگر لعنتوں کے ساتھ منشیات کی لعنت کو بھی پروان چڑھایا ہے، اور یہ خمار اس وقت تک نہیں اترے گا جب تک نقالی اور غلامی کا مزاج ختم نہ ہو جائے۔

شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں کی بہتات کا ایک سبب ٹی وی پر دکھائے جانے والے مخرب اخلاق پروگرام اور فواحش و منکرات پر مبنی فلمیں ہیں۔ شراب نوشی اور کسی نہ کسی شکل میں نشہ خوری کے مناظر تمام فلموں میں پائے جاتے ہیں، یہی چیز نوجوانوں میں منشیات کی لت پیدا کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

منشیات کا استعمال شریعت مطہرہ کی نظر میں

انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کی گراں قدر نعمت ہے جس کی قیمت ہر فرد بشر پر عیاں ہے اور اس کی حفاظت ہر ہوش مند آدمی پر واجب ہے، اگر وہ اس کی ناقدری کرتے ہوئے اسے

ضائع کرتا ہے یا اس کی حفاظت سے روگردانی کرتا ہے تو یہ اس نعمت کے ساتھ ناانصافی اور اللہ تعالی سے بغاوت کے مرادف ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی نے اس کی حفاظت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ اس کے زیاں پر وعید شدید سنائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالی تم پر نہایت مہربان ہے اور جو شخص یہ (نافرمانیاں) سرکشی اور ظلم سے کرے گا تو عنقریب ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ (النساء) ایک اور مقام پر فرمان الٰہی ہے: اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ (البقرۃ) اسی طرح منشیات کی قباحت پر یہ آیت نص صریح کی حیثیت رکھتی ہے: اے ایمان والوں بلاشبہ شراب اور جوا، بت اور پانسے گندے اور شیطانی کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔ (مائدۃ)

قرآنی آیات کے بعد منشیات کی حرمت کے سلسلہ میں ایک نظر نبوی تعلیمات پر بھی ڈالتے چلیں! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز خمر (شرب) ہے اور ہر قسم کی خمر حرام ہے۔ (مسلم شریف) اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعا روایت ہے کہ: ہر نشہ آور چیز حرام ہے جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے اس کا ایک گھونٹ پینا بھی حرام ہے۔ (ترمذی شریف) اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک واقعہ بھی بیان فرمایا کہ ایک خوبصورت عورت نے اپنے پاس شراب رکھی اور ایک بچہ کو رکھا اور ایک شخص کو مجبور کیا کہ وہ تین میں سے کم از کم ایک برائی ضرور کرے، یا تو وہ اس عورت کے ساتھ بدکاری کرے، یا اس بچہ کو قتل کردے، یا شراب پیے، اس شخص نے سوچا کہ شراب پینا ان تینوں میں کمتر ہے؛ چنانچہ اس نے شراب پی لی؛ لیکن اس شراب نے بالآخر یہ دونوں گناہ بھی اس سے کرا لیے۔ (نسائی)

ابن باز رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سگریٹ نوشی حرام ہے کیوں کہ یہ گندی چیز ہے اور بہت سے نقصانات پر مشتمل ہے اور اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لیے کھانے پینے کی چیزوں میں سے پاکیزہ چیزیں ان پر حلال ومباح کی ہیں اور گندی چیزوں کو حرام کیا ہے اور تمبا کو اپنی تمام قسموں سمیت پاکیزہ چیزوں میں سے نہیں بلکہ گندی چیزوں میں سے ہے، اسی طرح تمام نشہ آور چیزیں بھی گندی چیزوں سے ہیں؛ اس لیے تمبا کو نہ پینا جائز ہے نہ اس کی تجارت جائز ہے، جیسا کہ شراب کی صورت ہے؛ لہٰذا جو شخص سگریٹ پیتا ہے اور اس کی تجارت کرتا ہے اسے جلد ہی اللہ تعالی کے حضور رجوع اور توبہ کرنا، گذشتہ فعل پر نادم ہونا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا چاہیے، اور جو شخص سچے دل سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے

حضور توبہ کرو؛ تاکہ تم فلاح پاؤ!۔

اس کے علاوہ سگریٹ نوشی اور دیگر نشہ آور اشیاء کی خرید وفروخت میں استعمال شدہ دولت بھی اسراف وتبذیر کے زمرے میں آتی ہے؛ چناں چہ اللہ پاک فرماتے ہیں: بلا شبہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔اور شیطان اپنے رب کا نافرمان ہے(بنی اسرائیل)،اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن انسان کے قدم نہ ہٹیں گے حتی کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا جاوے گا؛ اس کی عمر کے بارے میں کہ کس چیز میں خرچ کی اور اس کی جوانی کے متعلق کہ کاہے میں گزاری اس کے مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جو جانا اس پر عمل کیا؟ (ترمذی)

مختصر یہ کہ نشہ آور اشیاء کا استعمال جسمانی اعتبار سے بھی مضر ہے، مالی ومعاشی حیثیت سے بھی تباہ کن ہے، اور سماجی واخلاقی نقطۂ نظر سے بھی سم قاتل ہے۔

منشیات کے طبی نقصانات

نیوزی لینڈ میں ہونے والی ایک تحقیق کے دوران سر درد اور سگریٹ نوشی کے عمل کے درمیان گہرا تعلق دیکھا گیا ہے، ماہرین نے اپنی تحقیق میں (980) مردوں اور عورتوں کو شامل کیا جنھوں نے بتایا کہ انھیں (11) سے (13) سال کی عمر میں سر درد شروع ہوا اور وہ اسی عمر سے سگریٹ نوشی بھی کررہے ہیں۔ گزشتہ 15 سال سے سگریٹ نوشی کرنے والے ایک گروپ میں شامل افراد نے کہا کہ انھیں علم ہے کہ جب وہ زیادہ سگریٹ نوشی کرتے ہیں تو سر درد بڑھ جاتا ہے۔ مذکورہ تحقیق سے یہ بات بالکل عیاں ہوگئی کہ یہ اشیاء انسان کے لیے سمّ قاتل ہیں، اگر کوئی شخص ان کے نقصانات کو جانتے ہوئے ان کا استعمال کرتا ہے تو یہ خودکشی کے زمرے میں آتا ہے، اور خودکشی کی جو سزا شریعت میں متعین کی گئی ہے وہ ہر مسلمان جانتا ہے۔

اس مناسبت سے منشیات کے کچھ طبی نقصانات بھی ذیل میں مذکور ہیں:

۱- ان کے استعمال سے دانت خراب ہوجاتے ہیں اور منہ سے بدبو آنے لگتی ہے۔

۲- ماہرین کے نزدیک تمباکو وغیرہ میں بے حد زہریلے اجزاء نکوٹین، فیرفورال، پاسٹریڈن وغیرہ ہوتے ہیں۔ یہ زہریلے اجزا انسانی جسم پر بری طرح اثر انداز ہوتے ہیں اور فاسد مادے پیدا کرتے ہیں ان کے استعمال سے خون کا رنگ متاثر ہوتا ہے، خون زردی مائل اور پتلا ہوجاتا ہے۔

۳- اس سے عضلات کمزور اور ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔

۴- منشیات کے زیادہ استعمال سے جسم کے افعال میں بے ترتیبی پیدا ہوتی ہے، معمولی محنت سے انسان کی سانس پھولنے لگتی ہے اس سے دل کا دس فیصدی کام بڑھ جاتا ہے اور انسان کی عمر دس فی صد کم ہوجاتی ہے۔

۵- ان سے پھیپھڑوں کے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں انسان کے سونگھنے کی طاقت کم ہوجاتی ہے۔

۶- ان کے استعمال سے معدہ آنتوں کی اندرونی سطح پر ایک قسم کا چپک دار مادہ جمع ہوجاتا ہے جوان کی ساخت کو متاثر کرتا ہے اس سے معدہ خراب اور بھوک کم ہوجاتی ہے۔

۷- تمباکو، سگریٹ، نسوار وغیرہ مسلسل لگا تار استعمال کرنے سے یہ سرطان کا باعث بنتے ہیں؛ بل کہ کینسر کی سترہ اقسام ہیں جن کی وجہ تمباکو کا استعمال ہے۔ اِن میں منہ، جلد، گلے، سینے، پھیپھڑے، معدے، مثانہ وغیرہ کا کینسر شامل ہے۔

۸- ان کے استعمال سے بصارت و بینائی کم ہوجاتی ہے۔

۹- ان کے استعمال سے انسان کے اندر چڑچڑا پن، غصہ، سستی، ضد، ڈر، خوف اور بدمزاجی پیدا ہوجاتی ہے۔

۱۰- ان کا استعمال رعشہ، نزلہ، زکام کا بہت بڑا سبب ہے۔

خلاصۂ کلام

دراصل افراد معاشرے کا سرمایہ ہیں، فرد کا زیاں خاندان اور سماج کی بنیادوں کو کھوکھلا کردیتا ہے۔ آج بحیثیت انسان اور مسلمان ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم معصوم بچوں اور نوجوان نسل کو نشے کی لعنت سے بچائیں۔ تمام مذہبی ادارے، اسکول و کالج، سماج سدھار تنظیمیں، NGO اور حکومتی سطح پر بھی یہ کام سرانجام دیا جانا چاہیے، یہ برائی ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہی ہی اور ہمیں معاشرے کو اس برائی سے بچانا ہے۔ آج یہ کام ہمارے لیے فرض عین کی شکل اختیار کرگیا ہے اور اس کے لیے ہم سب کو متحد ہوکر ایک پلیٹ فارم پر آنا ہوگا؛ تاکہ معاشرے کو اس لعنت سے پاک کرسکیں۔

یاد رہے کہ جب تک منشیات کے استعمال کے کورواج اور بڑھاوا دینے والے اسباب ومحرکات کا خاتمہ نہیں کیا جائے گا، اس کے سد باب کی سنجیدہ کوشش نہیں کی جائے گی اس وقت تک اس مسئلے کو کنٹرول نہیں کیا جاسکتا اور جب تک زندگی کے دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے ذمہ داران بالخصوص

علمائے کرام وغیرہم منبر ومحراب سے منشیات کی روک تھام کے لیے سنجیدہ کردارادانہیں کریں گے اس وقت تک اس سنگین صورت حال پر قابو پانا مشکل ہے۔

یہ کس درجہ افسوس ناک بات ہے کہ سگریٹ سازی کی صنعت کو باقاعدہ قانونی حیثیت حاصل ہے؛ لیکن یہ کس قدر مضحکہ خیز امر ہے کہ سگریٹ کی ڈبیہ پر ''خبردار! تمبا کونوشی صحت کے لیے مضر ہے'' جیسا وعظ رقم کیا جاتا ہے؛ لیکن اس سگریٹ سازی کی صنعت کو روکنے یا اس کی خرید وفروخت کے حوالے سے کسی قسم کی سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا۔

اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ تمباکونوشی، شراب نوشی، گانجے اور چرس کے خلاف صرف ایک دن نہیں؛ بلکہ برس کے بارہ مہینے مہم چلائی جائے اور تمام طبقات بالخصوص میڈیا اور منبر ومحراب منشیات کے سدباب کے حوالے سے اپنا کردارادا کریں۔

❁ ❁ ❁

كتاب الفقه على المذاهب الأربعة
تجزیاتی مطالعہ

از: مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی
رکن الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین، دوحہ قطر

فقہ اسلامی کی ہمہ گیری

شریعت اسلامیہ، انسانیت کی فلاح ونجات کے لیے دائمی وابدی قانون ہے۔اس قانون کا اولین مصدر ومنبع، اللہ کی کتاب قرآن کریم، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اجماع امت ہے؛ جب کہ ثانوی مصدر وماخذ قیاس واجتہاد ہے۔اس قانون کو فقہاءِ امت نے مرتب ومدون شکل میں امت کے سامنے پیش کیا۔انھوں نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے منصوص احکام میں اجتہاد کرکے غیر منصوص مسائل کے لیے اصول وکلیات وضع کیے۔اس اجتہادی عمل میں اختلاف کی بھی گنجائش تھی؛ چنانچہ عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی امت میں فروعی مسائل میں اختلافات پیدا ہوئے۔یہ اختلافات اسلام کے توسع کی علامت اور باعثِ رحمت تھے۔فقہاء کرام کے ذریعہ مختلف علاقوں میں ان کے اجتہادات ونظریات اور استخراج مسائل کے طریقے پہنچے؛ چوں کہ نصوص محدود اور مسائل لامحدود ہیں؛ لہٰذا نصوص میں اجتہاد کا عمل صحابہ کے علاوہ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے زمانہ میں بھی تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔

چار مسالک فقہیہ پر اتفاق

خلافت بنوامیہ اور خلافت بنوعباسیہ کے زمانے میں جب اسلام کا پرچم ایشیاء کے دور دراز خطوں اور افریقہ ویورپ کے علاقوں میں بھی لہرانے لگا اور نت نئے مسائل امت کو درپیش ہوئے،، تو ان فقہاء ومجتہدین نے شریعت کی روشنی میں اجتہاد سے ان مسائل کا کامیاب حل پیش کیا۔ابتداء میں

ہر علاقے کے لوگ اس علاقے کے مجتہدین کی آرار کی پیروی کرتے تھے؛ لیکن مختلف اسباب کے تحت من جانب اللہ جتنی مقبولیت چار دبستان فقہ: حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ کے حصے میں آئی، اتنی کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی آتے آتے امت عملی طور پر چار فقہی مکاتب فکر پر متفق ہوگئی۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

فقہ اسلامی کی تدوین

فقہ کی تدوین کے سلسلہ میں حضرت سیدنا علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے سلسلے کے تلامذہ بالخصوص حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے کارہائے نمایاں تاریخ کے زریں ابواب ہیں۔ اسی طرح امام مالک بن انسؒ، امام محمد بن ادریس شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل کا بھی تدوین شریعت کے باب میں اہم ترین رول رہا ہے۔ شروع میں ائمہ اربعہ کے ساتھ دیگر ائمہ مجتہدین کی آرار اور ان کے نقاط نظر کو بھی پیش کرنے، ان کے اقوال ذکر کرنے اور ان کے دلائل تحریر کرنے کا رواج عام تھا۔ اسی لیے دیکھتے ہیں کہ امام ترمذیؒ ائمہ اربعہ کے اقوال کے ساتھ امام ابو ثورؒ، امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام اسحاق بن راہویہ، امام داود ظاہری، امام لیث بن سعد مصری، ابن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ کے اقوال کو بھی نقل کرتے ہیں۔ اسی طرح امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں، علامہ سرخسی نے المبسوط میں، علامہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں، ابن قدامہ نے المغنی میں، ابو اسحاق شیرازی نے المہذب اور علامہ نووی نے المجموع شرح المہذب میں نقلِ مذاہب کا کافی اہتمام کیا ہے۔

محدثینِ فقہار نے شروحِ حدیث میں ائمہ اربعہ کے ساتھ دیگر فقہار کی آرار کو بکثرت نقل کیا ہے؛ لیکن بعد میں ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر مجتہدین کی آرار کا ذکر متروک ہوگیا۔ اس کے برعکس ائمہ اربعہ کے اقوال کو تمام تفصیلات کے ساتھ نقل کرنے کا فقہار نے زبردست اہتمام کیا۔ علامہ مرغینانیؒ نے ہدایہ میں، علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں، علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں ائمہ اربعہ کے اقوال کو دلائل کے ساتھ نقل کیا ہے اور فقہ حنفی کی آرار کو مدلل کرنے اور ترجیح دینے کا بھی اہتمام کیا ہے۔ عام طور پر مصنّفین جس فقیہ اور مجتہد کے مقلد ہوا کرتے تھے؛ انھیں کے اقوال کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ عام طور پر فقہار کے نزدیک اسی کا چلن رہا ہے۔ ماضی قریب میں نیل الاوطار کی شکل میں علامہ شوکانیؒ نے اچھی کاوش امت کے سامنے پیش کی۔ ماضی میں ایسی کوششیں بھی ہوئی ہیں جن میں صرف دلائل کے ساتھ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے نقل کا اہتمام کیا گیا۔ ترجیح اور وجوہ ترجیح کو ذکر نہیں کیا گیا۔

فقہ مقارن کا رجحان

البتہ ماضی قریب میں ایک مختلف رجحان پیدا ہوا، جسے (فقہ مقارن) کا رجحان کہا جاتا ہے۔ جس میں ائمہ اربعہ ودیگر ائمہ کے اقوال کو مع دلائل ذکر کیا جاتا ہے؛ لیکن مصنف کسی ایک مجتہد کی تقلید نہیں کرتے؛ بلکہ اپنی تحقیق کے مطابق ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک بلکہ بسا اوقات بعض دیگر ائمہ کے اقوال کو بھی ترجیح دیتے ہیں؛ جب کہ اس رجحان کی خطرناکیوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے؛ البتہ ائمہ اربعہ کے اجتہاد کے دائرہ میں رہتے ہوئے اگر نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے حالات کی ضرورت کے مطابق ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے قول کو اختیار کیا جائے، تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے فقہِ ائمہ اربعہ کے موضوع پر کئی کتابیں ماضی اور حال میں تصنیف کی گئی ہیں۔

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ کی تصنیف

ائمہ اربعہ کی فقہ پر تصنیف کی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور نامور عالم دین معروف مصری مصنف عبدالرحمٰن الجزیری کی کتاب ''کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' ہے۔ اس کے بعد حکومت کویت کی نگرانی میں ائمہ اربعہ کی فقہ کے سلسلہ کا سب سے بڑا اور جامع کام ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' کے نام سے ۴۵ جلدوں میں انجام پایا ہے۔ اس سے قبل ائمہ اربعہ کے ساتھ دیگر ائمہ مجتہدین کی فقہ پر مشتمل موسوعہ تیار کرنے کا کام حکومت مصر کی نگرانی میں شروع ہوا تھا؛ لیکن یہ سلسلہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا۔ بہر حال (کتاب الفقہ عل المذاہب الاربعہ) فقہ ائمہ اربعہ پر اہم ترین کاوش ہے؛ اس کتاب کے مصنف شیخ عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجزیری ہیں؛ مصنف جامعہ ازہر سے تعلق رکھنے والے ممتاز فقیہ ہیں؛ موصوف جامع ازہر کے کلیۃ اصول دین میں ایک عرصے تک استاد رہے۔

مصنفؒ کتاب علامہ جزیزی کا تعارف

عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجِز یری (۱۲۹۹-۱۳۶۰ھ/۱۸۸۲-۱۹۴۱م) مشہور فقیہ اور ممتاز ازہری علماء میں سے ہیں، مصر کے جزیرہ ''شندویل'' کے مرکز ''سواج'' میں ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء، میں ولادت ہوئی۔ تعلیم جامع ازہر میں ہوئی؛ چوں کہ شروع سے ہی فقہی ذوق کے حامل تھے۔ خاص طور پر امام ابوحنیفہ کی فقہ کی طرف کافی رجحان تھا؛ اس لیے انھیں امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک اور اس مسلک کی کتابوں سے خاص شغف رہا اور اسی مسلک کی کتابوں کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ سن ۱۳۱۳ھ سے ۱۳۲۶ھ، تک آپ کا خاص فقہی ذوق پروان چڑھتا رہا۔ اس کے بعد جامع ازہر میں تدریس کی

ذمہ داری آپ کے سپرد ہوئی۔اس ذمہ داری کو آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔سنہ ۱۳۳۰ ہجری میں وزارت الاوقاف کے تحت آنے والی تمام مساجد اوران مساجد کے ائمہ کرام کے ذمہ دار مقرر ہوئے، پھراس شعبہ کا انھیں ذمہ داراعلی مقرر کردیا گیا، بعدازاں جامع ازہر کے کلیۃ اصول الدین میں استاذ مقرر ہوئے۔موصوف کی لیاقت،مقبولیت اورشہرت کے مدنظر حکومت نے انھیں ''ہیئت کبارالعلماء'' کا رکن منتخب کیا ایک عرصے تک اس عہدے پر فائز رہے،سن ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۱ء میں ''حلوان'' نامی مقام پران کی وفات ہوئی۔

اہم ترین کارنامہ

ان کا اہم ترین کارنامہ ''کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' کی تصنیف ہے۔اس کا وہ حصہ جو عبادات سے متعلق ہے،اسے جامع ازہر کے علماء کی ایک انجمن نے مصری وزارت اوقاف کی نگرانی میں تیار کیا ہے؛ جب کہ علامہ جزیزی اس علمی فقہی لجنہ کے اہم ترین ذمہ دار تھے، پھراس کتاب کی ترتیب،تہذیب اور تنقیح کا ذمہ دار آپ کو ہی بنادیا گیا۔بعدازاں انھوں نے اس لجنہ کے قائم کردہ نقوش کے مطابق دیگر ابواب کی تکمیل کی اوران میں دیگر مباحث کا اضافہ بھی کیا،کہا جاسکتا ہے کہ وزارت اوقاف کی نگرانی میں شائع ہونے والی کتاب نقش اول تھی جب کہ علامہ جزیری کی یہ کتاب نقش ثانی اوراس سلسلہ کی توسیع ہے،اسے کتابِ سابق کا جدید ایڈیشن بھی کہا جاسکتا ہے۔

کتاب کے مشمولات

جزء اول:عبادات پر مشتمل ہے؛ جب کہ جزء ثانی:معاملات پر، جزء ثالث:تتمۃ المعاملات پر جزء رابع: نکاح وطلاق اور جزء خامس: حدودوغیرہ پر مشتمل ہے؛ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ گوناگوں خوبیوں کی حامل ہے؛ البتہ اس میں یہ کمی رہ گئی ہے کہ کتاب الوقف اور کتاب القضاء وغیرہ کے مباحث اس میں شامل نہیں ہیں۔خود علامہ جزیری کوان ابواب کی تکمیل کا موقع نہیں ملا۔بعد میں بعض اہم مباحث کا اضافہ تو ہوا؛ لیکن پوری طرح اس کی تکمیل نہ ہو۔

کتاب کی تصنیف کا پس منظر

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ کی تالیف وزارت الاوقاف مصر کی تحریک اوراس کی دلچسپی سے عمل میں آئی۔اس وقت کے مصر کے بادشاہ ملک ''فؤاد اول'' کی خواہش تھی کہ ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں ائمہ اربعہ کی فقہ کو تمام تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ یکجا کردیا جائے؛ تاکہ عام علماء وائمہ مساجد کے لیے ان مسائل تک رسائی آسان ہوجائے اور مساجد میں جو حلقہائے درس

قائم ہیں؛ ان حلقوں میں اس کتاب کی تدریس ہوسکے۔اس سے قبل ملک فؤاد کی حکومت کی طرف سے ایک مصحف شریف کی طباعت کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔مصاحف کے رسم الخط سے واقف کار علماء وماہرین کا خیال ہے کہ ملک فؤاد کا شائع کردہ مصحف وہ پہلا مصحف ہے؛ جس میں دقت نظر کے ساتھ رموز واوقاف اور رسم الخط کی درستگی کا اہتمام کیا گیا۔بعد میں جتنے بھی مصاحف زیورطبع سے آراستہ ہوئے اس میں اسی اسلوب کی نقالی کی گئی اور ملک فؤاد کے مقرر کردہ انھیں اصولوں کو برتا گیا۔

ملک فواد کی خواہش پر وزارت اوقاف نے ''الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' کے زیرعنوان جس کتاب کی طباعت کا اہتمام کیا۔اس میں صرف عبادات کا حصہ شامل تھا۔ان کے خُطّہ میں تمام ابواب کی تکمیل کا منصوبہ شامل نہیں تھا؛ بلکہ ان کی خواہش یہ تھی کہ اس کے بعد دو کتابیں اور منظر عام پر آئیں۔ایک کا تعلق عقائد سے ہو اور دوسرے کا تعلق اخلاق وآداب سے ہو؛ لیکن ایسا نہ ہوسکا۔اس طور پر فتاوی عالم گیریہ اور مجلۃ الاحکام العدلیہ کے بعد کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ تیسری ایسی کتاب بن گئی جس کی شروعات حکومت کی تحریک پر ہوئی۔

کتاب کی مختلف اشاعتیں

کتاب کی پہلی طباعت (حصہ عبادت) کا سہرا شیخ الازہر اور چاروں فقہی دبستان فکر سے تعلق رکھنے والے جامعہ ازہر کے مشائخ وعلماء پر مشتمل اکیڈمی کے سر بندھتا ہے۔

اس علمی فقہی کیڈمی کے اراکین مندرجہ ذیل علماء ومشائخ تھے: علماء حنفیہ میں سے: عبدالرحمٰن الجزیری، اور محمود البلاوی، علماء مالکیہ میں سے محمد السمالوطی، اور محمد عبدالفتاح العنانی، علماء شافعیہ میں سے: محمد الباجی اور علماء حنابلہ میں سے: محمد سبیع الذبی، اور ابوطالب حسنین مستقلا شریک رہے۔بعد میں اس کتاب کی تکمیل وتہذیب کی مکمل ذمہ دار عبدالرحمٰن الجزیری کے سپرد کردی گئی۔

اس کتاب کی پہلی طباعت سن ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۸عیسوی میں عمل میں آئی۔پہلی اشاعت میں چار ہزار نسخے شائع ہوئے۔

دوسری اشاعت سے قبل بڑے پیمانے پر اس کتاب میں تصحیح، تہذیب اور تنقیح کی ضرورت محسوس کی گئی۔اس امر کی ذمہ داری جس اکیڈمی کے سپرد کی گئی؛ اس کے ارکان مندرجہ ذیل حضرات تھے۔علماء حنفیہ میں سے عبدالرحمٰن الجزیری، علماء مالکیہ میں سے عبدالجلیل عیسیٰ، علماء شافعیہ میں سے: محمد الباجی، ومحمد ابراہیم شور، اور علماء حنابلہ میں سے: محمد سبیع الذبی۔یہ حضرات اس کارعظیم میں مستقل طور پر شریک رہے۔پھر تہذیب وتنقیح اور عبارتوں کو سہل کرنے کی ذمہ داری عبدالرحمٰن الجزیری کے

سپرد کی گئی۔اسی موقع پر مندرجہ ذیل ابواب کا کتاب میں اضافہ بھی کیا گیا: (۱) ابواب الاضحیہ والذبائح، (۲) ما یحل ویحرم من الطعام والشراب واللباس۔

اس اشاعت میں علماء ومشائخ کے تبصرے اور تنقیدات کی روشنی میں خاص طور پر تہذیب وتنقیح کا کام کیا گیا۔اس سلسلے میں جو سب سے اہم تبصرہ تھا؛ وہ شیخ عبداللہ دراز مالکی کا تبصرہ تھا۔اس سے استفادہ کیا گیا اور مالکیہ کے نقطۂ نظر کو بہتر طور پر پیش کیا گیا۔

دوسری طباعت سن ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۱عیسوی میں عمل میں آئی، اس مرتبہ نسخوں کی تعداد دس ہزار تھی۔

تیسری اشاعت میں جس کمیٹی نے اہم رول ادا کیا اور اس اشاعت کو ممتاز بنانے کی کوشش کی ان میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے۔

علماء حنفیہ میں سے: محمود ابو دقیق، اور عبدالرحمٰن الجزیری، علماء مالکیہ میں سے: محمد حبیب اللہ الشنقیطی اور محمد سلام، علماء شافعیہ میں سے: ابراہیم الجبالی اور حامد جاد شریک رہے۔

تیسری اشاعت سن ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء، میں عمل میں آئی اس مرتبہ نسخوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔

چوتھی اور پانچویں اشاعت

چوتھی اشاعت سن ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں عمل میں آئی۔اس بار بیس ہزار نسخے شائع ہوئے۔اس اشاعت میں اس کتاب کی مکمل طور پر نسبت عبدالرحمٰن الجزیری کی طرف ہوگئی؛ جب کہ ان کا نام پہلی دوسری اور تیسری اشاعت میں لجنہ کے رکن کے طور پر تھا؛ جب کہ پانچویں اشاعت سن ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء، میں مطبع دار الکتاب العربی سے عمل میں آئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ للجزیری درحقیقت سلسلہ اول کی توسیع ہے۔اس سلسلہ کی پہلی جلد جو وزارت اوقاف کی طرف سے شائع ہوئی تھی، اس کی تعدیل اور اضافات کثیرہ پر مشتمل ہے۔اس میں علامہ جزیری نے دلائل کا اضافہ بھی کیا ہے، حکمت تشریع کا جابجا ذکر فرمایا اس کی اشاعت سن ۱۹۳۹ء، میں عمل میں آئی۔اس کے بعد دوسری تیسری اور چوتھی جلد میں دیگر ابواب فقہیہ کا اضافہ فرمایا؛ لیکن تکمیل سے پہلے ہی راہی ملک بقا ہوگئے۔

الفقہ علی المذاہب الاربعہ کا تکملہ

علامہ جزیزی کی وفات کے بعد باقی ماندہ کام کس طور پر انجام پایا۔اس سلسلہ میں اس کتاب

کے ناشر نے ان امور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

الفقہ علی المذاہب الاربعہ کی چوتھی جلد کے اختتام پر عالم جلیل شیخ عبدالرحمٰن الجزیری نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ قارئین کی خدمت میں جلد ہی پانچویں جلد پیش کریں گے اور اس کی شروعات کتاب الحدود سے ہوگی؛ لیکن میعاد اجل نے انھیں مہلت نہ دی اور مسودہ کتاب کو مطبع کے حوالہ کرنے سے قبل ہی وہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ مکتبہ تجاریہ کبری نے ان کی وفات کے بعد ان کے اہل خانہ سے پانچویں جلد کے لیے کتاب الحدود کا جو کچھ مسودہ کی شکل میں مصنف نے تحریر فرمایا تھا؛ اسے حاصل کیا۔ مسودہ سے اندازہ ہوا کہ مصنف نے کتاب الحدود کو تقریباً مکمل کرلیا تھا۔ صرف ترتیب وتنسیق اور حواشی کی ضرورت باقی رہ گئی تھی؛ باقی ماندہ کاموں کی ذمہ داری فقہ مذاہب کے متبحر عالم شیخ علی حسن عریضی کے سپرد کی گئی۔ جو علماء ازہر میں ممتاز مقام کے حامل ہیں؛ چنانچہ انھوں نے مصنف کے منہج اور اسلوب کے مطابق اس کام کو بہتر طور پر انجام دیا۔ اصل کتاب میں جن مقامات پر حواشی اور تعلیقات کی ضرورت تھی اس کی بھی تکمیل کی اور پورے مرحلہ میں طباعت تک مکمل نگرانی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ کتاب الحدود کی اشاعت بہتر طور پر ۱۹۳۱ء میں عمل میں آئی۔

مختلف مشہور ومعروف مطابع سے اشاعت

علامہ جزیزی کی شہرہ آفاق کتاب ''کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' عالم عرب کے تمام مشہور مطابع سے شائع ہوئی ہے۔ خاص طور پر مصر، دمشق؛ سعودیہ عربیہ؛ بیروت وغیرہ سے اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ تاہنوز آب وتاب کے ساتھ یہ سلسلہ جاری ہے۔ میری طالب علمی کے زمانے انیس سو بانوے سے لے کر انیس سو چھیانوے تک یہ کتاب عام طور پر استنبول ترکی سے وقف اخلاص کے ذریعے حاصل کی جاتی تھی، جو قدیم ٹائپنگ کتابت کے ساتھ چار جلدوں میں طبع ہوئی تھی۔ الحمدللہ کمپیوٹر کتابت کے ساتھ پانچ ضخیم جلدوں میں اس کی اشاعت دارالقدس قاھرہ مصر سے عمل میں آئی ہے اور پانچ جلدوں میں سے ہر ایک اوسطاً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ مجموعی طور پر تقریباً ڈھائی ہزار صفحات بنتے ہیں۔

اس کی پہلی جلد شروع ہوتی ہے کتاب الطہارہ سے۔ جب کہ پہلی جلد کا اختتام ہوتا ہے اضحیہ اور قربانی کے مباحث پر۔ یہ جلد کل چھ سو ستر صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب کا اردو ترجمہ

اردو داں طبقہ کے لیے باعث مسرت ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ جناب مولانا منظور احسن عباسی

صاحب نے کیا ہے اور یہ ترجمہ شاندار کمپیوٹر کتابت کے ساتھ اصل عربی متن کے ساتھ پڑوسی ملک کے موقر ادارے علماء اکیڈمی، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب کی طرف سے سن ۲۰۰۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔

کتاب کی تصنیف سے مصنف کے مقاصد

اس کتاب کی تصنیف سے مصنف کا مطمح نظر کیا تھا نیز اس انداز کی کتاب لکھنے کی مصنف کو کیا ضرورت پڑی؟ مقدمہ کتاب میں اپنے مقصد کو بیان کرتے ہوئے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

ان أصل وضع الكتاب كان الغرض منه تسهيل مواضيع الفقه الإسلامي على ائمة المساجد العلماء وهولاء عليهم أن يوضحوا ما يقف في سبيلهم من مجمل أو مبهم.

گویا مصنف نے یہ کتاب مساجد کے علماء اور ائمہ کے لیے فقہ اسلامی کو آسان بنانے اور اس کی تفصیلات سے انھیں واقف کرانے کے لیے تصنیف کی؛ جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ علماء و باحثین کے مشورہ کے مطابق انھوں نے آئندہ ایڈیشنوں میں کافی کچھ اصلاح کی ہے۔ ان اصلاحات کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

أولا: ان اجعل لكل مسائل عناوين خاصة بها، كي يسهل على كل واحد أن يرجع إلى المسالة التي يريدها بالنظر الى محتويات الكتاب (الفهرست) بخلاف الكتاب الاول فإن مسائله كانت مخلوطة فلا يسهل على الناس الوقوف على اغراضهم منها.

پہلی بات یہ ہے کہ میں نے ہر مسئلہ کے لیے خاص عنوان مقرر کیا ہے تاکہ ہر وہ شخص جو کسی مسئلہ کی جستجو میں ہو محض فہرست دیکھ کر اس کے لیے اپنے مطلوبہ مسئلہ تک رسائی آسان ہو جائے۔

ثانيًا: رأيت من الضروري أن انص فيه على الصحيفة على المذهبين المتفقين حتى يتحرر هذان المذهبان على وجه لا يحتمل الخطا وهذه الطريقة يتبين منها خطا الطريقة الأولى في كثير من أبواب الكتاب كما هو الحال في كتاب الصلاة ومباحث القبلة ومباحث الحيض ومباحث الجبيرة وغيرها مما لا استطيع النص عليه لضيق المقام، وما على القارى إلا أن يرجع إلى الكتاب ليعلم مافيه من صواب واضح.

ثالثا قد رجعت الى كتب الفقه في كثير من مواضيع الكتاب المذكورة في اسفل الصحيفة وهي في الغالب ذكر السنن والفرائض بطريق الاجمال.

دوسری بات یہ ہے کہ میں نے یہ لازمی خیال کیا کہ جس رائے پر اتفاق بین المذاہب ہے؛

اسے سب سے پہلے متن میں ذکر کروں؛ تاکہ یہ مسلک نمایاں اور واضح ہوجائے اور اس میں غلطی کا کوئی امکان باقی نہ رہے؛ جب کہ سابقہ اشاعت میں یہ معاملہ نہیں تھا۔ جیسا کہ بہت سے ابواب مثلاً کتاب الصلاۃ، مباحث قبلہ، مباحث حیض، مباحث مسح جبیرہ، وغیرہ میں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ میں نے کتاب کی سابقہ اشاعت کے بہت سے مقامات میں جو مسائل کتاب کے حاشیہ میں درج تھے، ان کی تحقیق کے لیے بہت زیادہ کتب فقہ کی طرف رجوع کیا اور جو کچھ بھی اجمال یا غلطیاں محسوس ہوئیں انھیں درست اور واضح کرکے میں نے اس کتاب میں بیان کیا۔

رابعًا رأيت من الضروری أن أبالغ فی الايضاح حتی يتيسر لكل من نظر فی هذا أن يظفر بغرضه بسهولة وقد اعتنيت عناية خاصة بمسائل: كتاب الحج والصيام ليسهل علی الناس فهمها بدون عناء كبير.

خامسا ذكرت كثيرا من حكمة التشريع فی كل موضع امكننی فيه ذلك وكنت أود أن أكتب حكمة التشريع لكل مباحث الكتاب. ولكنی خشيت تضخمه وذهاب الغرض المقصود منه.

سادسا رأيت أن آتی بادلة الأئمة الأربعة من كتب السنة الصحيحة واذكروجهة نظر كل منهم وبالجملة فقد بذلت فيهذا الكتاب مجهودا كبيرا وحررته تحريرا تاما وفصلت مسائله بعناوين خاصة رتبتها ترتيبادقيقا.

چوتھی بات یہ ہے کہ میں نے اس کتاب میں مسائل کو مکمل اور بھرپور وضاحت کے ساتھ ذکر کرنے کا اہتمام کیا؛ تاکہ اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے ہر قاری کے لیے اپنے مقاصد تک رسائی آسان ہوجائے۔ کتاب الحج اور کتاب الصوم کے مسائل کی تسہیل وتوضیح کا خاص اہتمام کیا تاکہ اس کو لوگ اچھی طرح سمجھ کر اس پر عمل کرسکیں۔

پانچویں یہ کہ میں نے اکثر مقامات پر مشروعیت کی حکمتوں کو بھی بیان کیا ہے؛ تاکہ مسائل قلب میں پیوست ہونے کے ساتھ ساتھ ذہن نشین بھی ہوجائیں۔ نیز عقل عامہ بھی مطمئن ہوجائے۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ ہر مسئلہ میں میں احکام شرعیہ کی حکمتوں کو لازمی طور پر بیان کروں؛ لیکن اس سے کتاب کی ضخامت دوچند ہوجاتی؛ لہٰذا میں نے اس سلسلہ کو مختصر کردیا۔

چھٹا یہ کہ میں نے ائمہ اربعہ کے مستدلات کو بھی مستند احادیث کی کتابوں سے ذکر کیا ہے اور ہر مسئلہ میں بنیادی رجحانات کی بھی نشان دہی کی ہے۔

ذکر مسلک میں مصنف کا معمول

مصنف کا معمول یہ ہے کہ سب سے پہلے متن میں ایک مسئلے کو ذکر کرتے ہیں؛ جو مسئلہ ان کے نزدیک سب سے زیادہ راجح ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کتاب الطہارۃ میں مصنف نے معنی الطهارة فی اللغة کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس کے تحت آپ نے لکھا: النظافة والنزاهة عن الاقذار والاوساخ سواء كانت حسية أو معنوية. اس مفہوم کو انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کی اس روایت سے مدلل کیا ہے جو صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور فرمایا: لا باس طهور انشاء الله. یہاں طہور فطور کے وزن پر ہے؛ مطهر من الذنوب یعنی گناہوں سے پاک کرنے والے کے مفہوم میں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی کہ بیماری گناہوں کو دھل دیتی ہے، ظاہر ہے کہ گناہ تو معنوی گندگی ہے۔ آگے علامہ جزیزی نے فرمایا کہ: اما تعريف الطهارة والنجاسة فى اصطلاح الفقهاء ففيه تفصيل المذاهب. ان تفصیلات کو انھوں حاشیہ میں بیان کیا ہے۔

سب سے پہلے حنفیہ کے مسلک کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: الحنفية قالوا: الطهارة شرعا النظافة عن حدث أو خبث فقولهم النظافة يشمل ما إذا نظفها الشخص أو نظفت وحدها بأن سقط عليهاماء فازالها. اس کے بعد علامہ نے حدث اصغر اور حدث اکبر کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے حنفیہ کے نقطہ نظر پر وارد کیے جانے والے کئی اعتراضات کو بھی ذکر کیا ہے اور ان کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ خاص طور پر انزال کی وجہ سے غسل کی فرضیت اور خروج ریح کی وجہ سے وضو کی فرضیت کے سلسلہ کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: فالذى من حقنا هو الذى نسأل عنه ونناقش فيه. والذى يختص بالاله وحده نوديه بدون مناقشة، وهذا بخلاف المعاملات أوالأحوال الشخصية، فإنها متعلقة بحياتنا، فلنا الحق أن نعرف حكمة كل قضية ونناقش فى كل جزئية. هذا هو الرأى المعقول، على أن بعض المفكرين من علماء المسلمين قال أن كل قضية من قضايا الشريعة لها حكمة معقولة وسر واضح عرفه من عرفه وخفى على من خفى عليه لا فرق فى ذلك بين العبادات والمعاملات. (ص۶، ج۱)

یعنی ہمارا یہ حق ہے کہ ہم معاملات ومصالح کے سلسلے میں خوب مناقشہ کریں۔ ہر حکم کی حکمت کو جاننا ہمارا حق ہے؛ جب کہ حقوق اللہ اور خالص عبادات کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ انھیں تو ہم

جذبہ بندگی کے ساتھ حکمت ومصلحت کی جستجو کے بغیر ادا کرنے کے مکلّف ہیں؛ جب کہ دیگر اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ شریعت کے تمام احکامات کی معقول حکمت اور مصالح ہیں۔ یہ وہ گنج سربستہ ہے جو ہر ایک سے نہیں کھلتا اور بہتوں کے قلب پر من جانب اللہ اس کے اسرار کھول دیے جاتے ہیں۔عبادات و معاملات میں چنداں فرق نہیں ہے۔

اس کے بعد حاشیہ میں فقہ حنفی کی تفصیلات کو ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد مالکیہ کے موقف کو واضح کیا گیا ہے۔اس کے بعد فقہ شافعی کے موقف کو ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد پھر حنابلہ کے نقطۂ نظر کو ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف کا یہی معمول ہے کہ عام طور پر متن میں اس مسئلہ کو ذکر کرتے ہیں جو متفق علیہ ہوتا ہے ؛اس کی جزئیات میں جو اختلاف ہوتا ہے؛تو جزئیات کے اختلافات کو وہ حاشیے میں ذکر کرتے ہیں۔تقریباً پوری کتاب میں ان کا یہی معمول ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی یہ بات آچکی ہے کہ اس کتاب کے عبادات کا حصہ درحقیقت وزارت اوقاف کے تحت مقرر کردہ علماء ومشائخ کے ایک لجنہ کا تصنیف کردہ ہے۔اس لجنہ کے ایک اہم رکن علامہ جزیری بھی تھے؛لیکن جب اس کے حصہ عبادات کی اشاعت کے بعد اس کتاب پر تنقید اور تبصرے ہوئے تو اس کتاب کی تنقیح،تہذیب،عبارت سازی،اسلوب کی تسہیل میں علامہ جزیری نے محوری اور بنیادی رول ادا کیا۔دیگر ابواب کا اضافہ فرمایا تو اس کتاب کی نسبت مکمل طور پر علامہ جزیری کی طرف کی جانے لگی اور موصوف نے اس سلسلہ میں دیگر علماء کی کاوشوں سے کافی حد تک استفادہ کیا۔

اس کتاب کے حوالہ سے کئی امور خاص طور پر قابل ذکر ہیں: اوّل یہ کہ اس کتاب میں عام طور پر صرف مسائل کو بیان کیا گیا ہے اسی طرح چاروں دبستان فکر کے ائمہ کے اقوال کو ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی حکمت تشریع کو بیان کیا گیا ہے؛ لیکن عام طور پر کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ ودیگر ادلہ شرعیہ سے متعلقہ مسئلہ کے دلائل بیان کرنے اور ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دینے پر توانائی صرف نہیں کی گئی۔

علامہ جزیزی نے اس کی وجہ بھی بیان کی کہ یہ کتاب انھوں نے مساجد کے علماء وائمہ کے لیے تصنیف کی ہے تاکہ وہ مساجد میں اس کی تدریس کا فریضہ انجام دے سکیں۔ظاہر ہے اس طرح کی کتابوں میں ادلہ شرعیہ سے اس انداز میں تعرض نہیں کیا جاسکتا ہے۔جو معمول دیگر مفصل کتابوں میں ہے۔

کتاب پر اہل علم کا نقد وتبصرہ

علامہ جزیری اور اس کام کے لیے مقرر کردہ لجنہ سے وابستہ تمام علماء ومشائخ کی تمام تر محنت

ومشقت اور مساعی جمیلہ کی تعریف وتوصیف کے باوجود اہل علم نے اس کتاب میں در آنے والی کئی فروگذاشتوں کی بھی نشاندہی کی ہے اور ان پر تعقب بھی کیا ہے۔ چند قابل ذکر اعتراضات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اس کتاب پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مسالک کے نقل کے سلسلہ میں بعض مقامات پر فروگذاشت ہوئی ہے اور قابل اعتماد مسلک کو مصنف بعض مقامات پر نقل نہیں کر سکے؛ بلکہ بعض اوقات غیر معتمد اقوال کو نقل کر دیا ہے۔

(۲) دوسرا نقد یہ کیا گیا کہ مصنف نے اپنے طور پر عبارت سازی اور جملہ سازی کی ہے۔ معتمد علیہ نصوص فقہیہ کو ان کے مراجع سے نقل نہیں کیا ہے اور حوالہ جات کا اندراج بھی نہیں کیا ہے؛ جب کہ نقلِ مذہب میں فقہی نصوص اور مراجع کا ذکر کرنا از حد ضروری ہے۔

(۳) تیسرا نقد یہ کیا گیا ہے کہ یہ کتاب تمام ابواب فقہیہ پر مشتمل نہیں ہے۔ کئی اہم فقہی ابواب کتاب میں شامل نہیں کیے جا سکے ہیں۔ مثلاً کتاب الوقف کتاب القضاء وغیرہ۔

(۴) چوتھا نقد یہ کیا گیا کہ اس میں بعض اوقات مرجوح بلکہ متروک اقوال کو بھی نقل کر دیا گیا۔

(۵) پانچواں نقد یہ کیا گیا کہ بعض مباحث میں خلط مبحث ہے۔ لہٰذا اس کتاب کو مرجع اور حوالہ کی کتاب بنانا مناسب نہیں ہے۔ جب تک دیگر اصلی مراجع سے توثیق نہ کر لی جائے اس وقت تک اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن ان تمام اعتراضات کے جواب کے لیے بس اتنی بات کافی ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کے مقصد کو سامنے رکھا جائے تو اس انداز کا کوئی بھی اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ یہ آسان اسلوب اور عام فہم انداز میں فقہِ ائمہ اربعہ کے سلسلہ میں تصنیف کی گئی ایک درسی کتاب ہے۔ جس کی تدریس مختلف مساجد کے حلقہائے درس میں کی جاتی تھی، اس کتاب کی تصنیف اسکالرس باحثین اور ارباب افتاء کے لیے نہیں کی گئی۔ اس لیے بعینہ کتب متقدمین کی عبارتوں کو نقل نہیں کیا گیا؛ بلکہ اس کے مقابلہ میں اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے آسان عبارت پیش کی گئی۔ ظاہر ہے کہ عام افراد کے لیے یہ ایک خوبی کی بات ہے جب کہ باحثین کے لیے یہ عیب ہے۔

ان میں سے بعض تبصروں کو الاسلام سوال وجواب کے مقالہ نگار نے اس طور پر بیان کیا ہے۔

۱- عدمُ تحریرِ المعتمدِ من الاقوال عانند المذاهب، بل اعتماده كان على المرجوح عند المذهب فى بعض المسائل، وقد تتبع كثيرٌ من الباحثين ذلك فوُجد انه

قد اخطا فی نسبة الاقوال إلی اصحابها من أهل المذاهب، ولیسَ ذلك فی کلِّ ما کتب بل فی کثیرٍ منها.

۲– عدم توثیق النصوص، فالمولّف لا یعزو أی مقالةً لاصحابها، ولا لای مرجعٍ فقهی، وکل هذا قادح فی مادةِ الکتاب، حتی وإن کان اوضح ان مرجع مادته الکتب الفقهیة الاصلیة. وقد سئل الشیخ یوسف الشبیلی عن ذلك فقال: "اما کتاب "الفقه علی المذاهب الاربعة" فلا انصح بالاعتماد علیه؛ فیه الکثیر من الخلط"!. وقال الشیخ محمد بلتاجی فی مقالةٍ له نشرها فی مجلة "الدارة" عام ۱۹۷۷م: "لکننا ناخذ علیه إخلاء کتابه بصورة مطلقة من المراجع القریبة المنال وجوداً وفهماً لمن یقصدها من جمهرة المثقفین المسلمین غیر المتخصصین فی علوم الشریعة. کما ناخذ علیه إخلاءه من بعض أدلة المذاهب التی لا یستعصی إدراکها علی هذه الجمهرة المثقفة".

۳– نقصُ الکتاب وعدم تمامه، کما یتضح من اطلع علی الکتاب ونظر فی مباحثه. وقد نقلَ عن الشیخ عبد الکریم الخضیر انه قال عنه: "الکتاب غیر کامل، قد ینقل بعض المذاهب من کُتب غیر مشهُورة فی هذهِ المذاهب، ویعتمد روایات غیر معمُول بها فی هذه المذاهب" انتهی.

والکتاب لایصلح مرجعاً لمن أرادَ أن یعرفَ المعتمد والراجح فی أقوال المذاهب الاربعة، وکثرة اخطاء الکتاب جعلته مهجوراً عند العلماء والباحثین.

٤– ینبغی لمن أرادَ ان یعرفَ آراءَ المذاهب المحررة أن یاخذ الفقه من کتبِهم المعتمدة، ومن لم یتیسر له ذلك فلیاخذها من الکتب المعتنیة بذکر الخلاف ممن عرف عنه العلم والتحقیق، کالإمام النووی فی کتابه "المجموع" ولم یتمّه. وابن قدامة فی کتابه "المغنی"، ومن الکتب المعاصرة فی ذلك کتاب "الموسوعة الفقهیة الکویتیة" وهی موسوعةٌ مشهورةٌ، مرتبة مسائلها علی الحروف الهجائیة، وقد اشتغل فیها عشرات العلماء والباحثین، واحسنُ ما فیها: شمولها، وتحریر المذاهب الاربعة من الکتب المعتمدة عندهم. (موقع الاسلام سوال وجواب. تحت اشراف الشیخ صالح المنجد)

مذکورہ سطور میں مقالہ نگار نے فروگذاشت کی چار جہات کی نشاندہی فرمائی ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی کئی ایک باتوں سے اتفاق نہ کیا جائے؛ لیکن بعض امور کو بالکلیہ نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

دیگر بعض حضرات نے مصنف کے طرز نگارش کی بڑی تعریف کی ہے؛ چنانچہ نیل وفرات ڈاٹ کام پر اس کتاب کے تعلق سے یہ تحریر ہے: کتاب مهم جدا فی الفقه جامع لآراء المذاهب الاربعة فی المسائل الفقهية مما يجعله يغنی عن مراجعة الكثير من الكتب فی هذا المجال. ويمتاز الكتاب بقوة اسلوبه ودقته وحسن اخراجه وغنى موضوعاته وقد اشتمل الكتاب على الجزء الخامس الذی لم يتمكن المولف من اصداره قبل وفاته.

یعنی یہ کتاب فقہ اسلامی میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔اس میں چاروں دبستان فقہ کی آرا، کا احاطہ کیا گیا ہے۔اس کتاب کے مطالعہ سے آپ اس فن کی دیگر کتابوں کے مطالعہ سے مستغنی ہو سکتے ہیں؛ یہ کتاب اپنے اسلوب کی قوت عبارتوں میں دقتِ نظر اور پیش کرنے کے بہترین اسلوب کی وجہ سے دیگر کتابوں سے ممتاز ہے۔مصنف نے جن موضوعات کو ذکر کیا ہے ان کا حق ادا کر دیا ہے۔ قابل اطمینان امر یہ کہ جن ابواب کی تکمیل مصنف نہیں کر سکے تھے۔ناشر نے ممتاز علما، کے تعاون سے اس کی بھی تکمیل کر دی۔

مصنف کتاب کی دیگر تصنیفات

الفقہ علی المذاہب الاربعہ کے علاوہ مصنف کتاب نے کئی اور علمی اور فقہی کتابیں یادگار کے طور پر چھوڑی ہیں اور یہ کتابیں امت مسلمہ کے لیے نقش راہ اور مصنف کے ذخیرہ آخرت بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے قابل ذکر مندرجہ ذیل کتابیں ہیں: (۱) توحید العقائد، (۲) الاخلاق الدینیہ والحکم الشرعیہ، (۳) أدلة اليقين فی الرد على بعض المبشرين، (۴) دیوان خطب۔الحمد للہ یہ تمام کتابیں مطبوعہ اور مقبول عام ہیں۔

خلاصہ یہ کہ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ اسلامی کتب خانہ کے لیے شاندار اضافہ، عام اہل علم کے بہترین سوغات اور باحثین وماہرین کے لیے قابل استفادہ ولائق بحث وتحقیق کتاب ہے۔آسان اسلوب میں ائمہ اربعہ کی فقہ کو پیش کیا گیا ہے۔احکام کی علتوں اور مسائل کی حکمتوں کو بھی سلیس زبان میں بیان کیا گیا ہے،جگہ جگہ مقاصد شریعت کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔اللہ تعالی اس کتاب کو امت مسلمہ کے لیے نفع بخش اور مصنف اور ناشر کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے آمین یارب العالمین۔

❁ ❁ ❁

انجینئر محمد علی مرزا: چند گزارشات

از: مولانا عبدالمتین لیاری

انجینئر محمد علی مرزا صاحب دراصل ایک مکینیکل انجینئر ہیں اور ان کا تعلق ''جہلم'' شہر سے ہے؛ لیکن وہ انجینئرنگ سے زیادہ ''علوم اسلامیہ'' میں مصروف ہیں، اسی نسبت سے موصوف جہلم شہر میں ہی ''قرآن وسنت ریسرچ اکیڈمی'' کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں، ادارہ کی پالیسیوں میں سر فہرست ''امت اسلامیہ کا اتحاد واتفاق'' ہے اور مرزا صاحب کی ساری کوشش اسی حوالہ سے سامنے لائی جارہی ہیں۔

لیکن اس ظاہری تعارف کے برعکس موصوف کا مجموعی کام کسی اور ہی رخ پر نظر آرہا ہے جس سے واقف ہوتے ہی ''اتحادامت'' کا دھندلا سا عنوان بے معنی نظر آنے لگتا ہے۔

مرزا صاحب کا مجموعی کام دوحصوں پر مشتمل ہے: (۱) ویڈیو لیکچرز، (۲) ریسرچ پیپرز۔

قرآن وسنت ریسرچ اکیڈمی کی ویب سائٹ اور یوٹیوب چینل میں موجود موصوف کے لیکچرز کو سرسری عنوانات سے ہی دیکھ لیا جائے تو دور دور تک ''امت مسلمہ کے اتحاد'' کی کوشش نظر نہیں آتی؛ بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ مباحث جن سے ہم بڑی ہی مشکل کے ساتھ کسی حد تک دامن چھڑا چکے ہیں بعینہٖ وہ سارے مسائل ایک ایک کرکے ایک نئے انداز میں پیش کیے جارہے ہیں۔

دراصل اتحادامت ایک آسان نعرہ ہے؛ لیکن اس کا نباہ بہت کٹھن ہے، حالیہ بہت سے فتنوں کی تاریخ معلوم کی جائے تو ان میں بیشتر اتحادامت کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں؛ لیکن کچھ ہی وقت گزرنے کے بعد ان کا اتحاد ایک مستقل فرقے کی شکل اختیار کرلیتا ہے جس کی ایک بہت بڑی مثال پرویزی فکر ہے، جس کا نعرہ اہل قرآن کے نام سے اٹھا؛ لیکن پردہ سرکتے ہی انکار حدیث کا تحفہ امت کو پیش کیا گیا۔

جیسا کہ ہر سلیم الفکر اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ امت مسلمہ کے عروج وترقی کی ایک اہم صورت اپنے جزوی وفروعی اختلافات کو ایک طرف کرنے کے بعد بنیادی مشترکہ ایشوز پر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے میں ہے؛ لیکن مرزا صاحب اس اصول کے بالکل برعکس اِن تمام مسائل کو فروعی ثابت کرنے اور ان کی حدود متعین کرنے کی بجائے ان کو الیکٹرانک اور سوشل میڈیا جیسا انتہائی عوامی اور رخیص میدان فراہم کررہے ہیں، جہاں سننے والوں کی استعداد کا کچھ پتہ ہی نہیں، مرزا صاحب کے متاثرین اگر دین کی ''اب ج'' ہی سے واقف نہیں تو وہ کس بنیاد پر ان کا حق پر ہونا جان سکتے ہیں۔ فی الوقت عوام الناس جن جن وجوہات کی بنا پر منبر ومحراب سے دور ہوچکے ہیں ٹھیٹھ ویسا ہی رویہ اور مواد میڈیا میں سامنے لایا جارہا ہے جس سے ہر وہ شخص جو علمی ضعف کا شکار ہے یقیناً فتنے کی سرحد کو چھولے گا۔

انجینئر صاحب کے لیکچرز کو ایک ایک کرکے دیکھنے کے باوجود ان میں کوئی بھی ایسا عنوان نہیں مل پاتا جو کہ امت میں موجود مادیت کے زہر اور روحانیت کے فوائد بتاسکے اور نہ ہی کوئی ایسا جو اصلاح نفس اور تزکیۂ نفس کی معمولی جھلک بھی پیش کرتا ہو اور نہ ہی کچھ ایسا جو ہمارے اخلاقی انحطاط کی نشاندہی کرتا ہو؛ بلکہ سراسر ایسا مواد جس سے عوام الناس فقط تفریق وانتشار کا شکار ہوتی جارہی ہے۔

یہی حال موصوف کے ''ریسرچ پیپرز'' کا ہے جن میں سرتاموکسی سنجیدہ اور متقاضی موضوع پر بحث نہیں کی گئی مثلاً الحاد، انکارحدیث، مغربیت، فحاشی، ضروریات دین وغیرہ۔ موصوف کے چند اہم اور بنیادی ریسرچ پیپرز کے نام ملاحظہ فرمائیں جن سے ان کا علمی ذوق اور فکری وسعت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو کہ ان کی ویب سائٹ پر دستیاب ہیں: اندھا دھند پیروی کا انجام، رافضیت، ناصبیت اور یزیدیت کا تحقیقی جائزہ، واقعۂ کربلا کا حقیقی پس منظر، جنگ جمل جنگ صفین، قبروں سے فیض سے متعلق عقائد کا تحقیقی جائزہ، جادوٹونا جنات تعویذات، ۱۲؍ربیع الاول یوم وفات نہیں ہے، نجدی دراصل کون ہیں؟ ابن تیمیہ کے کچھ غلط عقائد، امام ابوحنیفہ کی اجتہادی غلطیوں سے متعلق۔

مذکورہ ساری صورتحال دراصل اختلاف کے پس منظر، پیش منظر اور اس کے اطلاق وغیر اطلاق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رحمت دوعالم ﷺ اختلاف کو رحمت قرار دے رہے اور ہم زحمت، سو ایسی صورت میں اختلاف کو نظر انداز کرلینا اور اسے کالمعدوم جاننا ایک نئے فرقے کی بنیاد بن سکتا ہے۔

اختلاف کو سمجھنا اوراس کو سمیٹنا یا موقع محل کی حد تک زیر بحث لانا تو معقول بات ہے؛ لیکن جڑ سے ختم کرنا نہیں؛ کیونکہ یہ اختلاف فقہائے امت کی فقہی بصیرت اور لاجواب فقہی خدمات پر مشتمل ورثہ ہے،جس سے انکار اپنی تراث کا انکار کرنے کے مترادف ہے؛ بلکہ یہ امت مسلمہ کا خزانہ ہے جس سے وقتاً فوقتاً مفید از مفید نتائج سامنے لائے جاسکتے ہیں اور لائے جاچکے ہیں؛ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم ایسی ٹھیٹھ علمی ابحاث کو سوشل میڈیا اور خاص کر یوٹیوب کی زینت نہ بنائیں؛ بلکہ اس کے لیے درس وتدریس، درس گاہ اور تصنیف وتالیف اور شعبہ تحقیق پر زور دیں، ورنہ وہ وقت دور نہیں جب ایک عام شخص کامیڈی دیکھنے کی نیت سے یوٹیوب چلائے گا اور اپنے ناقص فہم کے تحت روز روز نئے نئے افکار کا منظر پیش کرے گا جس کے پیچھے ایک نہ ختم ہونے والا انتشار ہوگا جو ہمیں تقسیم در تقسیم کرتا جائے گا۔

محمد علی مرزا صاحب بھی اختلاف کو ختم تو نہیں کر رہے؛ لیکن اسے اپنی جانب سے ایک الگ رنگ دینا چاہ رہے ہیں،جس کے نتیجے ایک عام شخص بے ساختہ علماء کی مخالفت پر اتر آتا ہے کہ یہ ہمیں کچھ سکھاتے نہیں، غلط باتیں بتاتے ہیں، حقائق سے دور رکھتے ہیں وغیرہ۔ پھر علماء میں موجود ان تمام خرابیوں کا تصور ذہن میں لاکر جب وہ ایک مسیحا کا سوچتے ہیں تو ان کے ذہنوں میں فوری طور پر انجینئر مرزا صاحب چھا جاتے ہیں۔ اپنی بات کو ثابت کرنا بہت اچھی بات ہے؛ لیکن امت کے محسنین کو ڈراؤنا بنا کر پیش کرنا بالکل بھی مناسب بات نہیں جو کہ اس وقت انجینئر صاحب سے متاثر ہر دوسرے شخص کا خاصہ ہے۔

نیز اس سے اتحاد امت کا دعویٰ کمزور پڑتا جارہا ہے جس کی بنیادی وجہ اختلافی مسائل کی حقیقت کو نہ سمجھنا ہے؛ کیونکہ ان اختلافی مسائل کا پس منظر جاننے والا شخص کبھی بھی ایک منفرد تشخص یا نظریات کا قائل نہیں ہوسکتا؛ بلکہ وہ ہر بات کو اکابر علماء کے طریق سے لینے کو پسند کرتا ہے اور اجماعی موقف اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ عجیب حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں مطالعے اور تحقیق کا ماحول نہ ہونے کے برابر ہے؛ لیکن جوں ہی کوئی مطالعہ شروع کرتا ہے تو رہنمائی نہ ہونے کے سبب جلد اجتہاد کے دروازے کی کنڈی کھولنے لگ جاتا ہے یعنی ہم نے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یا تو کبھی نہیں پڑھیں یا تو صرف اجتہاد کے لیے پڑھیں گے۔ درخواست ہے کہ پہلے اپنے فہم دین کے حصول پر بھرپور محنت کی جائے، کتابوں کے ترجمے پڑھ کر گزارا نہ کیا جائے اور جہاں جہاں اشکالات ہوں انھیں مختلف علمائے امت کی خدمت میں پیش کریں، اس کے بعد بات کرنا آسان رہے گا۔ ورنہ میں مطالعہ کرتا جاؤں

اور کچی پکی جیسی تیسی اینٹ استعمال کر کے اپنے دین کا تصورتعمیر کرنے میں مصروف ہو جاؤں تو میری عمارت کچھ ہی وقت میں ڈھیر ہو جائے گی۔

ساتھ ساتھ اس بات کی بھی شدید ضرورت ہے کہ علمائے امت کا خوب ادب و احترام کیا جائے، ان کی بات اور ان کی رائے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے اور اگر استعداد ہو تو کرنا بھی چاہیے؛ لیکن ان کے مقام، ان کی محنت اور دین کے لیے ان کی طویل خدمات کو مدنظر رکھ کر۔ یہ ناانصافی کی بات ہوگی کہ ہم علوم حدیث میں نیم صدی سے زائد مصروف کسی عالم کے بارے میں یکلخت جیسی تیسی زبان استعمال کریں۔

آخر میں یہ کہہ کر ان سطور کا اختتام کرتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ امت کو اہل سنت والجماعت کے متفقہ عقیدے سے جوڑنے کی کوشش کی جائے اور امت کا اپنی تاریخ کے ساتھ رشتہ مضبوط کیا جائے۔ اگر ہم اپنی تاریخ اور سنیت کے عقیدے پر جم نہ سکے تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں کرسکتی۔

❁ ❁ ❁

علم وفضل کے جامع، اخلاق ومروت کے پیکر، اسلاف کے جانشین

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلیؒ

از: مفتی اسعد قاسم سنبھلی
صدر شعبہ ادب وافتاء جامعہ شاہ ولی اللہ مراد آباد

دنیا ایک دھوکہ ہے، یہاں کسی کو قرار نہیں، اس کاروان میں ہر روز نہ معلوم کتنے مسافر شامل ہوتے ہیں اور بے شمار اپنی منزل پر پہنچ کر ابدی نیند سو جاتے ہیں؛ اس لیے کسی فرد کا کوچ کر جانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں، یہاں تو ہر ایک پیدا ہی مرنے کے لیے ہوا ہے؛ لیکن اللہ کے جو بندے غیر معمولی سعادت وتوفیق سے بہرور ہوں، علم واخلاق میں ان کا پایہ نہایت بلند ہو، مؤمنانہ خصائل ان میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوں اور ان کی ذات ستودہ صفات محبت وعقیدت کا مرکز بن گئی ہو تو ایسے نابغۂ روزگار علماء کی رحلت واقعی اتنی تکلیف دہ ہوتی ہے کہ آنکھیں غم سے بہہ پڑتی ہیں؛ حزن وملال کی شدت دلوں کو پاش پاش کر دیتی ہے اور دیکھتے دیکھتے ہر طرف رنج وغم کے بادل چھا جاتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلیؒ ایک ایسی ہی عظیم المرتبت شخصیت تھے، ۱۹؍ ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰؍ جولائی ۲۰۲۱ء کو جمعہ کے دن انھوں نے ہمیں داغ مفارقت دیا اور علماء وطلبہ کو روتا بلکتا چھوڑ کر وہ مولیٰ کے دربار میں پہنچ گئے، مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث ونائب مہتمم، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن اور ہندوستان کے ایک نامور عالم دین تھے، ان کی ولادت تاریخی شہر سنبھل میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد درس نظامی کا آغاز دارالعلوم الحمد یہ روضہ والی مسجد دیپا سرائے سنبھل میں کیا، جہاں امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا عابد حسین سنبھلیؒ کی مسند درس بچھی تھی، انھیں اللہ تعالیٰ نے پختہ صلاحیت کے ساتھ فارسی زبان وادب کے بھی بلند ذوق سے نوازا تھا، یہاں ایک سال خوشہ چینی کے بعد مرحوم نے شمس العلوم سرائے ترین میں داخلہ لیا اور مسلسل پانچ برسوں تک معروف عالم دین حضرت مولانا مفتی

آفتاب علی خاں صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی، ۱۹۶۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوا اور ۱۹۷۲ء میں موصوف نے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، اگلے سال تخصص فی الادب العربی سے وابستہ رہے مولانا سنبھلی بڑے ذہین، ہونہار اور سعادت مند طالب علم تھے؛ اس لیے ان کے درسی رفیق مولانا ابوالعاص وحیدی کے خلاف جب عدم اعتماد کی تحریک چلی تو موصوف کو برخاست کرکے حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ نے مولانا مرحوم کو ہی النادی کا معتمد بنایا جو عربی زبان وادب کے میدان میں دارالعلوم کے طلبہ کی قیادت وسربراہی کا یقیناً ایسا اعزاز تھا جس نے ان کے حوصلوں کو جلا بخشی اور وہ بلند عزم لے کر پھر مستقبل کی راہوں پر گامزن ہوگئے۔

تکمیل ادب سے فراغت کے بعد موصوف نے چھ سال تک خادم الاسلام ہاپوڑ میں تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۷۹ء میں وہ جامع الہدی مرادآباد تشریف لائے جہاں ان کا قیام تین سال رہا اور ۱۹۸۲ء میں جب دارالعلوم دیوبند کی نشأۃ ثانیہ ہوئی تو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب سنبھلیؒ کی تحریک پر انھوں نے انٹرویو دیا اور مادرعلمی میں تدریسی خدمات پر مامور ہوگئے ۲۰۰۷ء میں ان کا نیابت اہتمام کے لیے انتخاب ہوا اور تدریس کے ساتھ انتظامی ذمہ داریوں کو بھی انجام دینا شروع کردیا، تمام حالات درست سمت جارہے تھے اور مولانا کے نشاط کو دیکھ کر اہل تعلق بڑے مطمئن؛ بلکہ بےفکر تھے کہ اچانک سال گذشتہ کولہے میں فریکچر ہوا اور ان کی صحت پھر بتدریج گرتی ہی چلی گئی بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ضعف کی بنا پر ایک دن صبح کو غشی آگئی، علاج شروع ہوا تو مرض کی تشخیص کے لیے دہلی کے ''راجیو گاندھی ہاسپٹل'' میں چیک اپ کرایا گیا، میڈیکل رپورٹ آئی تو وہ گویا کسی دھماکے سے کم نہ تھی، اس نے تو واقعی سب کو سکتہ میں ڈال دیا، معلوم ہوا کہ کینسر آخری اسٹیج پر ہے اور اب کوئی علاج کارگر نہیں ہوسکتا، اہل تعلق نے یونانی اطباء سے رجوع کیا کہ شاید افاقہ کی کوئی صورت نکل آئے لیکن وقت پورا ہوچکا تھا؛ اس لیے مولانا ہمیں داغ مفارقت دیکر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

وطنی رشتہ کے علاوہ راقم کو مولانا سے تلمذ کا بھی شرف حاصل تھا، اس نے موصوف سے دارالعلوم دیوبند میں ''تاریخ الادب العربی''، ''دیوان حماسہ''، اور ''سبعہ معلقہ'' پڑھنے کے ساتھ عربی مشق وتمرین بھی کی تھی؛ اس لیے وہ مرحوم کے اوصاف وکمالات سے اچھی طرح واقف ہے، اس نے ان کی کتاب حیات کا ہر باب پڑھا ہے، ان کی خلوت وجلوت کا مشاہدہ کیا ہے، اور عائلی زندگی سے مسند اہتمام تک آنے والے ہر سنگ میل پر مولانا کے اخلاق وکردار کے ایسے دلربا مناظر دیکھے ہیں جو اس عہد جفا میں بس خال خال ہی کہیں نظر آتے ہیں، ان کے ذاتی حالات، تعلیم وتدریس کے مراحل اور ولادت سے وفات

تک سوانح حیات کی تمام کڑیوں کا صحیح تعارف تو فرزندان وعزیز واقارب ہی کرا سکتے ہیں؛ اس لیے ان عائلی موضوعات کو نظر انداز کر کے ہم صرف ان عناصر ترکیبی کو قلم بند کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے مولانا کی شخصیت کو حد درجہ عظمت ووقار عطا کیا اور پھر علمی حلقوں میں وہ ایسے مؤثر و ہر دل عزیز عالم بن کر ابھرے جس کی مثال دیکھنے کے لیے آئندہ نسلوں کو معلوم نہیں کتنا انتظار کرنا پڑے گا۔

مدارس وجامعات کی دنیا میں تعارف وتعظیم کی پہلی شرط امتیازی صلاحیت واستعداد ہوا کرتی ہے؛ چنانچہ تاریخ کے کینوس پر جو شخصیات ہمیں متحرک وفعال نظر آتی ہیں ان میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں جو علم ومعرفت کی چوٹی سر کیے بغیر زمانے کا مقتدا بن گیا ہو اور معاصرین محض اس کے ظاہری کروفر سے ہی مرعوب ہو گئے ہوں، نہیں بالکل نہیں، وہ سب ذہانت کے پیکر، علم وفضل کے جامع اور سعادت وتوفیق سے سرشار تھے، مولانا سنبھلی کا تعلیمی ریکارڈ شہادت دیتا ہے کہ اسلاف کی یہ میراث ان کے حصے میں بھی آئی تھی، انھوں نے اپنی طبعی شرافت، ذہنی یکسوئی اور بلند ذوق کی بدولت زمانۂ طالب علمی میں ایک مقام پیدا کیا، وہ اساتذہ کے منظورِ نظر اور طلبہ کے نزدیک ایک مثالی طالب علم تھے؛ چنانچہ پختہ صلاحیت، ٹھوس استعداد اور عربی زبان پر قدرت حاصل کرنے کے بعد طائر لاہوتی نے جب اپنے چمن سے نکل کر منزل کی تلاش شروع کی تو سب سے پہلے اس نے جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ کی سرسبز وادی میں اپنا نشیمن بنایا، پھر جامع الہدی مرادآباد کے بلند گنبد پر بسیرا کیا اور یہاں سے جب اڑان بھری تو پھر ''از ہر ہند'' کے فلک بوس منارے پر پہنچ کر ہی دم لیا، قاسمی چمن اس کے خوابوں کی آخری تعبیر تھی؛ اس لیے وہاں کی معطر فضاؤں میں دل کی کلیاں کھل گئیں اور چالیس سال تک اس نے وہ نغمہ سرائی کی کہ بلبلیں وقُمریاں سب نغمہ سرا ہو گئیں۔

صلاحیت واستعداد کے بعد شخصیت کا سب سے زیادہ مؤثر پہلو عمل کی پختگی ہے؛ چنانچہ دعوت وعزیمت کے جن کرداروں نے کارہائے نمایاں انجام دے کر تاریخ کے صفحات پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑے وہ سب عبادت وریاضت کا بلند ذوق رکھتے تھے، خلوتوں میں تڑپنا اور پھڑکنا ان کا دائمی معمول تھا، وہ دعائے نیم شبی اور آہ سحر گاہی کے خوگر تھے اور مولیٰ کے دربار میں آنسوؤں کا غسل کیے بغیر انھیں چین نہ ملتا تھا؛ چنانچہ تاریخ ہمیں آج تک ایسے کسی عالم کا نام بتانے سے قاصر ہے جس کی کتاب حیات کا یہ صفحہ خالی ہو؛ لیکن اس کے باوجود زمانے پر اس نے اپنی عظمت کا سکہ بٹھا دیا ہو، مولانا سنبھلی کو اللہ تعالیٰ نے جس نشاط وچستی سے نوازا تھا اس کی بدولت وہ عمل کے میدان میں بھی فائق تھے اور سنن ونوافل کے ساتھ انھوں نے نماز باجماعت کی ہمیشہ ایسی پابندی کی کہ اہل تعلق کو یاد نہیں کہ حضر کی

حالت میں کبھی فرائض پر ہی اکتفا کیا ہو، الحمدللہ وفات تک ان کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا، علماء کی یہی شان ہوتی ہے کہ رخصت کے بجائے وہ عزیمت پر عمل کرتے ہیں اوران کا تعلق مع اللہ ہر دور میں عوام کے لیے قابل رشک ہوتا ہے؛ لیکن افسوس ہماری گناہ گار آنکھیں آج ان لوگوں کو اہل علم کی صفوں میں دیکھ کرنم ہوجاتی ہیں، جو نمائش کے موقع پر تو کبھی نوافل بھی نہیں چھوڑتے؛ لیکن جب ان کے خشوع کو تاکنے والا کوئی نہ ہو تو فرائض بھی پھر بآسانی وہ گول کردیتے ہیں۔

علم وفضل میں بلند مقام ہونے کے بعد معاشرہ میں سب سے زیادہ اہمیت وسعت اخلاق کی ہوتی ہے، یہ لفظ ان پھیکی مسکراہٹوں تک محدود نہیں جو وارد ین پر صدقہ کردی جاتی ہیں؛ بلکہ اس کے مفہوم میں محبت واخلاص، نصح وخیر خواہی اور ایثار وقربانی کے ساتھ مخالفین کی ایذا رسانیوں پر صبر واعراض سے کام لینا بھی داخل ہے، اگر کوئی عبقری شخصیت تمام تر لیاقتوں کے باوجود اس وصف سے خالی ہے تو عوامی مقبولیت تو دور اس کا فیض تک جاری نہیں ہو پاتا اور مخلصین ہمت کرکے اگر استفادے کے لیے کمر بھی کس لیں تو مزاج کی خشکی، طبیعت کی درشتی اور زبان کی تیزی دیر یا سویر اس طرح انھیں دل برداشتہ کردیتی کہ ہر سمت پھر لانفضوا من حولك کا منظر ہی نظر آتا ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ ہمارے اسلاف اخلاق نبوت کے سچے وارث تھے اور آج بھی مشائخ کی زندگیوں میں اس کی بڑی واضح جھلک نظر آتی ہے، مولانا مرحوم بھی ہمارے نزدیک اسی صف کے عالم تھے، اللہ تعالی نے انھیں ایسے شیریں اخلاق سے نوازا تھا جو دنیا میں بہت کم لوگوں کو ملا کرتا ہے، ان کا سینہ محبت سے بھرا تھا، دل آئینہ کی طرح بے غبار تھا، اپنا ہو یا بیگانہ وہ ہر ایک کے خیر خواہ تھے، انھیں حاسدوں کی جفاؤں پر غم تو ہوتا لیکن طبعی شرافت منفی جذبہ کو کبھی سر نہ اٹھانے دیتی، وہ ہر زیادتی پر بس صبر کرکے رہ جاتے، مزاج کی اسی نرمی کی بنا پر طلبہ ان کے پاس آنے میں قطعاً تکلف نہ کرتے اور ہر ایک اپنے سفارش نامے پر دستخط کرانے میں کامیاب ہوجاتا، الغرض مدارس کے اساتذہ ہوں یا مساجد کے ائمہ، علماء وطلبہ ہوں یا مخلصین وعقیدت مند! مولانا کے یہاں کوئی بھید بھاؤ نہ تھا، وہ اپنے دامن میں سب کو سمولیتے، ایک عالم کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ بلاتفریق محبت کی چاندنی کو بانٹے اور اس کی دہلیز سے کوئی مخالف بھی منفی تاثر لے کر واپس نہ ہو؛ لیکن افسوس اب اخلاق کا مفہوم ہی الٹ گیا، اصحاب ثروت کے لیے تو ہر وقت دروازے کھلے ہیں؛ لیکن عام مخلصوں کو نظام الاوقات کا حوالہ دیکر بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا جاتا ہے۔

اخلاق ومروت کا فطری نتیجہ مہمانوں کی ضیافت واکرام کی صورت میں نکلتا ہے جیسے حدیث

میں انبیاء کی سنت اور ایمان ویقین کی علامت قرار دیا گیا ہے؛ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالی نے اس وصف سے امت محمدیہ کو اس قدر نوازا ہے کہ دوسری قومیں اس کے آس پاس بھی کہیں نظر نہیں آتیں، چودہ صدیوں کے علماء کی زندگی اس کے ثبوت میں پیش کی جاسکتی اور آج بھی ہمارے مدارس وخانقاہوں میں تمام تر سادگی کے باوجود ضیافت کا خاصا اہتمام پایا جاتا ہے، ہر ایک مہمانوں کی تواضع کو اپنا فرض سمجھتا ہے خواہ قلت اسباب کی بناء پر وہ ماحضر تک ہی کیوں نہ محدود ہو، مولانا سنبھلی کو اللہ تعالی نے اس وصف سے بھی خوب نوازا تھا، وہ بڑی مسرت کے ساتھ اپنے مہمانوں کا استقبال کرتے تھے، ان کے درسی رفقاء ہوں یا دارالعلوم کے قدیم طلبہ، مدارس ومساجد سے وابستہ علماء ہوں یا احباب واعزہ! ہر ایک بلا تکلف ان کا مہمان بن جاتا اور مرحوم کو ادنی گرانی نہ ہوتی، الحمدللہ ہمارے علماء ومشائخ کی آج بھی یہی شان ہے کہ ان کے دروازوں سے کوئی مایوس ہوکر واپس نہیں جاتا، اور ہر ایک کو انشراح صدر کی دولت نصیب ہوتی ہے، ہاں مادہ پرستی نے کچھ لوگوں کے معیار ضرور بدل ڈالے ہیں؛ چنانچہ زائرین کے جسموں پر اگر ثروت کی قبا ہے تو مسکراہٹیں ان کا استقبال کرتی ہیں اور آنا فاناً ضیافت کے جام بھی گردش میں آجاتے ہیں، رہے عام مخلصین وعقیدت مند تو ان سے پلہ جھاڑنے کے لیے بہت سے خودساختہ اصول موجود ہیں۔

علمی رسوخ، عملی استقامت اور اخلاقی وسعت سے لیس ہوکر جب کوئی عالم تدریس کی سنگلاخ وادی میں قدم رکھتا ہے تو بہت جلد اپنا مقام بنا کر وہ ہر دلعزیز بن جاتا ہے اور اس کی آواز کی لہروں پر پھر طلبہ کے دل دھڑکتے ہیں؛ کیونکہ درسگاہ میں زبان پر قدرت، بیان کی نیرنگی اور تفہیم کی ایسی صلاحیت درکار ہوتی ہے جو مشکل سے مشکل مضمون کو پانی کر کے ہر سطح کے طالب علم کو مطمئن کردے اگر خدا نخواستہ استاذ اس وصف سے خالی ہو تو اپنی تمام لیاقت کے باوجود وہ ناکامی کا طوق لٹکا کر ہی تدریس کے کوچے سے واپس ہوگا، مولانا مرحوم نے تقریباً نصف صدی تک تدریسی خدمات انجام دیں اور چار دھائیاں تو ان کی مادر علمی میں گذریں، دارالعلوم میں وہ شروع ہی سے ایک لائق وکامیاب مدرس کی شناخت رکھتے تھے، جن حضرات کو مرحوم سے شرف تلمذ حاصل ہے ان کا ہر فرد ضرور یہ گواہی دیگا کہ مولانا کا درس نہایت مفید اور قیمتی ہوتا تھا حل عبارت، مسئلہ کی وضاحت اور سیاق وسباق کی تشریح کے دوران وہ بلبل کی طرح چہکتے، پر لطف واقعات سناتے اور درس گاہ کے ماحول کو ایسا خوش گوار بنادیتے کہ طلبہ اپنی ساری تکان بھول جاتے، ایک کامیاب مدرس کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ تفہیم کے لیے گردوپیش کے واقعات کی مثال تو ضرور دے؛ لیکن یہ سلسلہ اتنا دراز نہ ہو کہ اصل موضوع تو

پس پشت چلا جائے، اور پورا وقت قصہ گوئی میں گذر جائے، اس میں سبق ہے ان حضرات کے لیے جو فحش ومضحکہ خیز واقعات کا سہارا لے کر اپنا مقام بنانا چاہتے ہیں؛ لیکن دیر یا سویر طلبہ کو اندازہ ہو ہی جاتا ہے کہ تدریس کی بلند مسند پر ان کا ورود مطلوبہ شرائط کی بدولت نہیں؛ بلکہ خوش طبعی، ملنساری اور خدمت وتواضع کی بنیاد پر ہوا ہے؛ اس لیے موضوع سے انحراف ان بے چاروں کی علمی مجبوری ہے۔

شہرت ہو یا گمنامی اہل معرفت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور وہ بدستور اپنی زندگی میں آداب واخلاق برتتے ہیں؛ لیکن جو لوگ عزت ووقار کی وادی میں پہلی مرتبہ قدم رکھتے ہیں ملک گیر تعارف حاصل کرنے کے بعد ان کا ایک مزاج تجاہل عارفانہ کا بھی بنتا ہے، اپنے سے کمتر کو نہ پہچاننا، مخلصین کو یکسر نظر انداز کرنا، ازخود ملاقات سے احتیاط برتنا، عوام کے سلام کا لیا دیا جواب دینا اور ہر وقت اپنی وقعت وعظمت کا احساس کرانا ہی ان کی زندگی کا محور بن جاتا ہے؛ لیکن مولانا سنبھلی اس لحاظ سے بھی ہمیں علماء ومشائخ کے سچے وارث نظر آتے ہیں کہ ہندوستان کے طول وعرض میں وسیع تعارف کے باوجود ان کے مزاج میں قطعاً کوئی فرق نہیں آیا، وہ چھوٹوں کو فوراً پہچان لیتے، سلام وکلام میں بھی خود پہل کرتے، متعلقین کے ذاتی مسائل دریافت کرتے، اپنے شاگردوں کا بھی مجلس میں تعارف کرادیتے اور ہر خاص وعام سے اس طرح دل کھول کر ملتے کہ وہ ان کے لہجے کی مٹھاس اور محبت وخلوص کی حرارت برسوں تک فراموش نہ کرپاتا، اس میں عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو معمولی شہرت کے بعد ہی گویا چرخ پر جھولنے لگتے ہیں۔

انسان خطا کا پتلا ہے؛ اس لیے انفرادی نہ صحیح اجتماعی زندگی میں تو اس سے لازماً چوک ہوتی ہے اور وہ معاصرین کی بابت کہیں نہ کہیں حسد ورقابت کا شکار ہوجاتا ہے پھر آج کی مہذب دنیا نے تو دلوں پر مادہ پرستی کا ایسا خول چڑھادیا کہ ہر ایک خود پسندی میں مبتلا ہے، اب تعریف وستائش تو دور لوگ کسی کے حق میں کلمۂ خیر کہنے کو بھی کوئی تیار نہیں اور دوسروں کو کمتر وشکستہ حالت میں دیکھنا ان کے دلوں کو بڑی فرحت عطا کرتا ہے، یہ بظاہر تو معمولی سی باتیں ہیں؛ لیکن یہی درحقیقت باطن کی وہ خطرناک بیماریاں ہیں جو دنیا وآخرت دونوں برباد کرڈالتی ہیں اور مشائخ انھیں کا ازالہ کرنے کے لیے سالکین سے سالہا سال تک مجاہدے کراتے ہیں؛ تاکہ ان گندگیوں کا صفایا ہو، اور ضمیر نور ایمان سے جگمگا اٹھے، مولانا سنبھلی کی سوانح کا یہ باب بھی بڑا روشن وتابناک ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسا قلب سلیم عطا کیا تھا کہ وہ طبعاً ان آلائشوں سے بالکل پاک تھے، معاصرین کی ترقی سے انھیں بڑی خوشی ہوتی، علماء کے کارناموں کو فخر سے بیان کرتے، اپنے چھوٹوں کی کاوشوں کو خوب سراہتے، زبان

پر کبھی منفی تاثر نہ آتا اور کوئی ہم نشین غیبت شروع کرتا تو اسے بڑی خوبصورتی سے ٹال دیتے اور فوراً دوسرے موضوعات پر گفتگو کرنے لگتے، علماء کی واقعی یہی شان ہوتی ہے، اللہ تعالی مرنے سے پہلے ہم سب کو اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں۔

ملک وملت کے بلند اسٹیج پر رونق افروز ہونے کے بعد اعتدال پر قائم رہنا بڑا مشکل ہوتا ہے اور اللہ کی توفیق اگر شامل حال نہ ہو تو ذہن میں اتنی تیزی سے خود پسندی کا سودا سما تا ہے کہ انسان اخلاق ومروت سب کچھ بھول کر بس اپنی شخصیت ہی میں گم ہو جاتا ہے، پھر مخلصین کو ڈانٹنا، مہمانوں کو جھڑکنا اور عوام کو پھٹکار لگانا اس کے نزدیک تعلیم وتربیت کا شعبہ بن جاتا ہے، معاملہ اگر یہیں تک محدود ہوتا تب بھی غنیمت تھا بعض حضرات کے مقربین بھی اتنے جاہل ومتکبر ہوتے ہیں کہ ملاقات کے لیے آنے والے مخلصین کو بھی ریمانڈ پر لینا ان کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے؛ تاکہ وہ خود کو حضرت کا سچا جانشین ثابت کرسکیں؛ حالانکہ یہ اصول ممکن ہے ماضی میں مفید ثابت ہوئے ہوں؛ لیکن آج اگر ان پر زیادہ زور دیا گیا تو عوام کا تھوڑا بہت علماء سے جو تعلق باقی ہے اس کی ڈور بھی بہت جلد ٹوٹ جائے گی اور انھیں دین سے جوڑنا پھر بڑا مشکل ہوگا، مولانا سنبھلی اس وصف میں بھی ان مشائخ کے جانشین تھے جو علماء وطلبہ کو ضرور اصول وآداب کی تعلیم دیتے ہیں؛ تاکہ مستقبل میں وہ تربیت کے فرائض بخوبی انجام دے سکیں؛ لیکن عوام کو ملاقاتی ضابطوں کا زیادہ پابند نہیں بناتے کیوں کہ دور فساد میں انھیں قریب کرنے کے بجائے اگر اصول جھاڑے گئے تو لوگ بددل ہوکر علماء کے فیض سے محروم ہو جائیں گے، تدریس کے بعد جب مولانا نیابت کے اہتمام پر فائز ہوئے تو ان کا قد کافی بلند ہوگیا اور ملک وبیرون ملک ہر سطح پر انھیں اعزاز دیا گیا، کہیں کلیدی مقرر تو کہیں صدر مجلس، کہیں مہمان خصوصی تو کہیں شمع انجمن! غرض ہر گام پر استقبال، ہر قدم پر عقیدت کے نذرانے! ایسے دلربا مناظر جب زندگی کا معمول بن جائیں تو مزاج میں بڑا فرق واقع ہوتا ہے اور کوشش کے باوجود بھی لوگ خوش اخلاق نہیں رہ پاتے؛ لیکن واہ رے سنبھلی!! تیرے لہجے میں کوئی فرق آیا نہ ہی تو نے اپنی خو بدلی، وہی تواضع ومسکنت، وہی سادگی ومعصومیت اور وہی بے تکلفی ومروت!! مسند کی بلندی دیوانے کا کچھ بھی نہ بدل سکی؛ چنانچہ چالیس سال کے طویل عرصے میں اپنے کو تو شکایت کیا ہوتی کوئی بیگانہ بھی ان سے بدمزہ نہ ہوا، دارالعلوم کے محبوب ومؤقر استاذ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی مدظلہ العالی نے دہلی کے تعزیتی اجلاس میں اس کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا کہ مادر علمی میں اگر کوئی فرد ایسا تھا جس کے طرز عمل سے کبھی کسی کو شکایت نہ ہوئی تو وہ میرے ہم نام حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی کی

ذات ستودہ صفات تھی، بظاہر تو یہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے؛ لیکن جو لوگ اہتمام وتدریس کی نزاکتوں پر گہری نظر رکھتے ہیں ان کے نزدیک یہ محض اخلاقی بلندی نہیں بلکہ مولانا مرحوم کی زندہ کرامت تھی۔

مولانا پر مختصر مضمون لکھنے کا ارادہ تھا لیکن قلم ہاتھ میں لیا تو وہ بے لگام گھوڑے کی طرح سرپٹ دوڑنے لگا، سوار نے بھی چاروناچار مہار ڈھیلی چھوڑ دی کہ شاید قدرت کا ارادہ بھی تفصیل کا معلوم ہوتا ہے آخر میں اہل خانہ، دارالعلوم کے ذمہ داران واساتذہ اور مخلصین وطلبہ کی تعزیت کرتے ہوئے ہم سنبھل کے ان علماء کا تذکرہ بھی ضروری سمجھتے ہیں جو قرابت وجوار کی بنا پر مولانا سے بہت قریب تھے، خصوصاً ان کے عم محترم حضرت مولانا عبدالمعید صاحب، بزرگ عالم دین حضرت مولانا ظریف صاحب، مخلص دوست حضرت حضرت مولانا عبدالستار سلام قاسمی، اسی طرح مفتی مہر الٰہی صاحب، مفتی رفاقت حسین صاحب، مفتی محمد عثمان اور مولانا عریف وغیرہ، اللہ تعالیٰ انھیں بھی صبر جمیل عطا فرمائے، ہمیں خوشی ہے کہ مرحوم کی نماز جنازہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب مدظلہ العالی نے پڑھائی جو ایک سربراہ کی حیثیت سے ان کا حق تھا ورنہ اکابر علماء کی موجودگی میں آج بے نام ومقام صاحب زادے جس طرح آگے بڑھ بڑھ کر اپنے اعزہ کے جنازوں کی نمازیں پڑھا رہے ہیں وہ اہل علم کے لیے بڑی گرانی کا باعث ہے، ولایت کے پیش نظر ممکن ہے اس کی کچھ گنجائش نکلتی ہو؛ لیکن شرعی اصول وضوابط کی رو سے یہ بات زیادہ درست معلوم نہیں ہوتی؛ کیونکہ نماز جنازہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک سفارش ہے اور دربار الٰہی میں سفارش اسی کی قبول ہوتی ہے جو صلاح وتقویٰ میں مرجعیت کا مقام رکھتا ہو، اسی لیے تو فقہاء نے خلفاء وامراء اور سلاطین وقضاۃ کے ساتھ محلّہ کی مسجد کے امام کو بھی غیر افضل ولی پر مقدم کیا ہے، سقوط خلافت کے بعد گو یہ مقدس مناصب باقی نہ رہے؛ لیکن ان کے لائق شخصیات تو موجود ہیں؛ اس لیے اکابر علماء کو نظر انداز کر کے اصاغر کا امامت کے منصب پر کھڑا ہونا صریح بے ادبی وگستاخی ہے جس سے احتراز لازم ہے، راقم کے ذہن میں ان اکابر کی فہرست خاصی طویل ہے جن کے ورثاء خود بلند پایہ علماء تھے لیکن اپنے مرحومین کا جنازہ پڑھانے کے لیے انھوں نے وقت کے اولیا ومقبولین کو زحمت دی اور خود عام مقتدیوں کی طرح ان کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت کے آداب وتقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں!

❁ ❁ ❁

حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہریؒ

از: مفتی سید ابراہیم حسامی قاسمی
استاذ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی صاحب مظاہریؒ بھی ۸/محرم الحرام ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۸/اگسٹ ۲۰۲۱ء بہ روز چہارشنبہ رات ۳/بجے اپنی عمر تمام کرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہریؒ ایک زبردست عالم دین اور بہترین دینی خدمت گزار تھے، ان کی خدمات کا دائرہ کافی وسیع اور بلند تر ہے، انھوں نے اپنی شخصیت کو کسی ایک میدان میں مقید نہیں رکھا، تمام دینی شعبوں میں انھوں نے اپنی گراں قدر خدمات کے ذریعہ اہلیان دکن کے سینوں پر اپنے انمٹ نقوش ثبت فرمائے۔

وہ عابد وزاہد، صابر وشاکر اور حد درجہ قانع تھے، ان کی زندگی میں نئی نسلوں کے لیے خدمت دین کے اور پرانوں کے لیے عزیمت واستقامت کے کئی اسباق پنہاں تھے، وہ اکابر سے تعلق رکھنے میں یکتا تھے، کام ان کی فطرت تھی، قناعت ان کی زندگی کا لازمہ تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ ان کی رخصتی نے ہر قدرداں کو آبدیدہ اور ہر اہل تعلق کو نم دیدہ کردیا۔

پیدائش، تعلیم وتربیت

حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہریؒ کی ولادت غالباً ۱۹۵۵ء میں ہردوئی میں ہوئی، والد گرامی کا وطن تلنگانہ ریاست کے ضلع نلگنڈہ میں واقع نارکٹ پلی کے اطراف میں موضع نارائن پور خورد ہے اور ننھیال عنبرپیٹ حیدرآباد ہے۔ حفظ کی تعلیم مدرسہ فیض العلوم سے حاصل کی، حفظ کے اساتذہ میں خود آپ کے والد ماجد اسی طرح مولانا عبدالرؤف صاحبؒ قابل ذکر ہیں، شعبۂ عالمیت کا آغاز محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ کے حکم پر ہردوئی میں کیا اور ابتدائی

درجات کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کے مدرسہ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ میں داخل ہوئے اور درجات وسطیٰ تک فیضان علم ومعرفت سے مستفیض ہوئے بعدازاں جامعہ مظاہر علوم سہارن پور میں علیا وفضیلت کی ۱۹۷۹ء میں تکمیل کی، دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد وہیں پر ۱۹۸۰ء میں تکمیل افتاء کیا۔

تدریسی خدمات کا آغاز

جامعہ مظاہر علوم سہارن پور سے فراغت کے بعد ۱۹۸۰ء میں آپ کا تقرر مدرسہ فیض العلوم سعید آباد میں ہوا، کچھ مہینوں بعد آپ کا تبادلہ برہم پور اڈیسہ میں کردیا گیا جہاں آپ نے مدرسہ کاشف العلوم کا قیام عمل میں لایا، اس سلسلہ میں کافی جدوجہد کی حضرت محی السنہ بھی تقریباً تین روز آپ کے ساتھ وہاں قیام پذیر رہے، ادارہ کے استحکام کے بعد آپ حیدرآباد چلے آئے، اسی اثناء میں کاماریڈی میں کچھ حالات ناموافق پیش آئے تو غالباً ۱۹۸۳ء میں آپ کاماریڈی تشریف لے گئے اور جامع مسجد کاماریڈی میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ تعلیم دین کا سلسلہ بھی جاری رکھا، کاماریڈی کے شاگردوں میں جناب محمد علی شبیر (سینئر سیاسی قائد) قابل ذکر ہیں، ڈیڑھ سال وہاں پر خدمات کی انجام دہی اس کے بعد آپ پھر مدرسہ فیض العلوم تشریف لے آئے اور ایک عرصہ دراز تک فیض العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھر ۱۹۹۲ء میں آپ کا دوبارہ تبادلہ بھونیشور اڈیسہ میں مدرسہ جامع العلوم کے کچھ ناموافق حالات کی بناپر کیا گیا جہاں آپ نے تقریباً چھ ماہ کا عرصہ گزار کر پھر فیض العلوم تشریف لے آئے اور اپنی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا، اسی دوران آپ دو مرتبہ فیض العلوم کے نائب ناظم بنائے گئے، آپ نے اپنے دونوں عہد نظامت میں فیض العلوم کی تعلیمی وتعمیری ترقی واستحکام کے لیے خوب کام کیا، اور دونوں مرتبہ شعبہ عالمیت کا قیام عمل میں لایا جو کہ آپ کے عہدِ انتظام تک کافی قبولیت کے ساتھ چلتا رہا۔

مدرسہ سبیل الفلاح کا قیام

۱۹۹۳ء میں حضرت مفتی صاحب نے مدرسہ سبیل الفلاح قائم کیا جو کہ ابتداء میں الفلاح لتحفیظ القرآن الکریم کے نام سے موسوم تھا، بعد میں مستقل مدرسہ سبیل الفلاح کے نام سے متعارف ومقبول ہوا، اس ادارہ کو بھی حضرت مفتی صاحب نے دعوۃ الحق ہردوئی سے ملحق فرمادیا تھا، ۱۹۹۷ء

میں آپ اس ادارہ کے نائب ناظم منتخب کیے گئے، پھر اس ادارہ کا الحاق ہردوئی سے ختم ہوا تو چوں کہ آپ ہی اس کے بانی تھے بنابریں آپ ہی ناظم مقرر ہوئے اور تادم زیست اس کے روح رواں رہے، اس ادارہ نے آپ کی ہمہ تن کاوشوں کے بدولت کافی ترقی کی اور سیکڑوں حفاظ اس ادارہ سے نکل کر صرف تلنگانہ ہی نہیں ؛ بلکہ بیرون ریاست نیز بیرون ممالک میں بھی دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مجلس دعوۃ الحق ہردوئی سے تعلق

مجلس دعوۃ الحق ہردوئی سے حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہریؒ کا گہرا تعلق رہا؛ بلکہ اسی پلیٹ فارم سے آپ کی شخصیت متعارف ہوئی، عرصۂ دراز تک مجلس دعوۃ الحق سے وابستہ رہے، اس کے ایک معمولی فرد سے لے کر ریاستی نظامت تک کا آپ نے سفر کیا، اس دوران لاکھ خم و پیچ کے باوجود اپنی شخصیت کو کبھی داغدار ہونے نہیں دیا اور نہ ہی مجلس پر کوئی حرف شکایت آنے دیا؛ بلکہ مجلس دعوۃ الحق کو ریاست میں متعارف کرانے میں آپ نے کلیدی رول ادا کیا ہے، ریاست میں اس کی کئی شاخوں کا قیام عمل میں لایا، مجلس کو پروان چڑھانے میں آپ نے کافی مشکلات کا سامنا بھی کیا اور اس کی ترقی میں ہر ممکنہ جدوجہد بھی فرمائی۔

بزرگوں سے اجازت وخلافت

حضرت مفتی صاحب کو اپنے تمام بزرگوں سے تعلق رہا، اہل نسبت بزرگوں کی خوب قدر کرتے تھے، آپ نے اپنا پہلا اصلاحی تعلق محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ سے قائم کیا، حضرت نے آپ پر دینی واصلاحی اعتماد کرتے ہوئے آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، حضرت مولانا حکیم اختر صاحبؒ نے بھی آپ کو خلافت سے نوازا، اسی طرح پرنامبٹ جنوبی ہند کی عظیم شخصیت حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب دام ظلہ نے بھی آپ کو اجازت وخلافت عطا فرمائی تھی۔

سفر حرمین شریفین

یوں تو حضرت مفتی صاحب نے اپنی زندگی میں حج وعمرہ کے کئی اسفار فرمائے، حضرت مفتی صاحب کا پہلا سفر حج ۱۹۹۳ء میں ہوا اور آخری سفر ۲۰۱۸ء میں ہوا، آپ نے متعدد حج وعمرے کیے

اور حرمین سے کافی گہرا لگاؤ رکھتے تھے اور وہاں کی حاضری کے لیے ہر دم مشتاق رہتے تھے اور ساتھ رہنے والے جانتے ہیں کہ کس درجہ عقیدت و احترام سرزمین حرمین شریفین کا آپ کے جلو میں پایا جاتا تھا اور وہاں عشق و کیف کی جو کیفیت آپ پر طاری ہوتی، وہ تو بس دیدنی تھی۔

تاجِ ختم نبوت کی پاسبانی

حضرت مولانا عبدالمغنی مظاہری تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں بڑے حساس اور متحرک تھے، انھوں نے ختم نبوت کی تحریک کو اپنے لیے اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا، وہ مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ وآندھرا کے اہم ترین ذمہ دار اور مقبول نائب صدر تھے، انھوں نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے استحکام میں کافی اہم کردار ادا کیا تھا، ارکان میں ان کی رائے قابل قدر بھی ہوتی اور قابل عمل بھی۔ مجلس تحفظ نبوت کے ہر کاز میں انھوں نے خود کو پیش پیش رکھا، تاج ختم نبوت کی دربانی کے لیے اضلاع، بیرون ریاست اور ریاست کے چھوٹے چھوٹے قریوں تک کے دورے کیے، جب قادیانیوں نے کاماریڈی کے ایک دیہات میں اپنی محنتوں کا زور دکھایا اور کئی مسلمانوں کو اپنے چنگل میں پھانس لے گئے تو حضرت مفتی صاحب نے اس علاقہ کا دورہ کیا، قادیانیوں نے مناظرہ کا چیلنج کیا تو اس کو قبول کیا اور بروقت مقامِ مناظرہ پر حاضر ہوئے؛ مگر جب قادیانیوں کو ان حقانی علماء کی آمد کی اطلاع ہوئی تو راہ فرار اختیار کر گئے۔ شہر حیدرآباد میں ۲۰۰۸ء میں جب قادیانیوں نے صد سالہ اجلاس کرنا چاہا تو حضرت مفتی صاحب نے بڑی فکرمندی ظاہر کی، بڑے بڑے سیاسی قائدین سے ملاقاتیں کیں جس کی بہ دولت دارالسلام کے وسیع میدان میں امیر ملت مولانا محمد حمید الدین عاقل حسامیؒ کی زیر صدارت کل جماعتی اجلاس عام منعقد ہوا، نصرت الٰہی شامل حال رہی اور قدرت کی کرشمہ سازی ہوئی بالآخر وہ اپنا اجلاس ملتوی کرنے پر مجبور ہوئے۔ مولانا عبدالمغنی صاحب کو ختم نبوت کے سلسلہ میں جب بھی جہاں بھی اور جس وقت بھی بلایا گیا انھوں نے کبھی بھی پس وپیش نہیں کیا؛ بلکہ بڑی تندی کے ساتھ تیار ہو گئے اور تاج ختم نبوت کی پاسبانی کا فریضہ انجام دینے میں کوئی کسر روا نہ رکھا، حضرت کے برادر صغیر ترجمان اہل سنت حضرت مولانا عبدالقوی صاحب دام ظلہ کے بقول: تدفین سے قبل چند نوجوان ان سے ملاقات کر کے بتانے لگے کہ ہم فلاں (آندھرا کے کسی) گاؤں کے لوگ قادیانیوں سے متاثر ہو گئے تھے تو ہمارے گاؤں حضرت مفتی صاحب تشریف لے آئے اور ہم کو دوبارہ کلمہ پڑھا کر اسلام میں داخل کیا اور آج ہم حضرت مفتی صاحب کے جنازے میں آئے ہوئے ہیں۔

''مجلس علمیہ'' سے وابستگی

حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہریؒ کو علماء تلنگانہ وآندھرا کی مؤقر دینی وقدیم تنظیم ''مجلس علمیہ'' سے بھی گہرا لگاؤ تھا، وہ مجلس علمیہ کے بڑے متحرک اور مخلص رکن عاملہ تھے۔ انھوں نے مجلس علمیہ کے لیے بھی بڑی جدوجہد کی۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب قاسمیؒ (سوریاپیٹ) کے دورِ نظامت میں انھوں نے خوب کام کیا اور جب تک مولانا عبدالعزیز صاحبؒ حیات رہے، ان کی نگرانی میں مکمل فعالیت کے ساتھ کاموں کو انجام دیتے رہے۔ مجلس علمیہ کے ہر چھوٹے بڑے کاموں میں خود کو شریک کرتے اور کئی کام بذاتِ خود کرتے۔ مجلس علمیہ کے جلسوں کے کامیاب انعقاد کے لیے بڑی فکر وکوشش فرماتے اور آنے والے اکابر کی نیازمندانہ ضیافت فرماتے اور کسی بھی کام میں عار یا چھوٹا پن محسوس نہیں کرتے۔

جمعیۃ علماء سے وابستگی

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمغنی مظاہریؒ جمعیۃ علماء کے مقبول ترین ارکان میں شمار کیے جاتے تھے۔ انھوں نے جمعیۃ کے لیے جو انتھک کوششیں کی ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں اور نہ ہی ان کا بآسانی احاطہ ممکن ہے، جمعیۃ کے کاز کو وسعت دینے اور نت نئے انداز سے کاموں کی تشکیل میں ان کا کردار ناقابلِ انکار ہے، خدائے غنی نے ان کو بے پناہ صلاحیتوں کا انبار بخش رکھا تھا۔ وہ کاموں کو پھیلانے اور کام لینے کے عظیم فن میں فردِ فرید تھے۔ کوئی کام ان کے لیے ناممکن نہیں تھا؛ بلکہ مشکل سے مشکل ترین کاموں کو بڑی آسانی کے ساتھ کر بھی لیتے اور کروا بھی لیتے تھے، ان کی باکمال ذہانت کے سب قائل تھے، مثبت انداز سے کام کرنے کا خوب سلیقہ رکھتے تھے۔ جمعیۃ کے تمام ارکان کی ہر ممکنہ وابستگی کے لیے مستقل مشاورت کرتے رہتے۔ کسی سے لاکھ اختلاف کیوں نہ ہوں اس کو بالائے طاق رکھ کر کام کی جانب اپنی اور سب کی توجہ مبذول کرتے، انھوں نے اپنے کارہائے دل بستہ سے سب کو اپنا بنالیا تھا۔ ان کے اندر چھوٹوں کو بڑا بنانے کا بے بدل فن تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی میں کئی بے ناموں کو بڑا نام اور اونچا مقام عطا کیا۔ ان کی شخصیت میں وہ مقناطیسیت تھی کہ ہر کوئی ان کی جانب کھنچا چلا آتا تھا۔ وہ کاموں کو سراہتے اور ہنرمندوں کی قدر کرتے اور بے کار لوگوں کو بھی غیرمحسوس طریقہ پر کام کے لائق بنادیتے تھے۔ ۲۰۰۷ء میں جمعیۃ علماء گریٹر حیدرآباد کے صدر منتخب کیے جانے کے بعد تو

آپ کی فکری وعملی جولان گاہ جمعیۃ ہی رہی، آپ جمعیۃ کی دیوانہ وار خدمت کرتے اور جمعیۃ کے ہر پلیٹ فارم پر اپنی نمائندگی کرتے، نوجوان فضلاء کو آپ نے جمعیۃ سے جوڑ کر بڑا کارنامہ انجام دیا، حلقوں کی منظّم تشکیل، ہر حلقہ کی وقفہ وقفہ سے کارگزاری، کاموں کی قدردانی، ہفتہ واری مشورے اور اس جیسے کئی کام آپ ہی کی دین ہیں۔

جلسہائے عظمت صحابہؓ واہل بیت اطہارؓ

اس بات سے تو کسی کو انکار نہیں کہ شہر حیدرآباد میں امیر ملت اسلامیہ حضرت مولانا محمد حمید الدین عاقل حسامیؒ کے بعد عظمت صحابہؓ کے متعلق اگر کسی نے بڑا کام کیا تو وہ صرف اور صرف حضرت مولانا عبدالمغنی مظاہریؒ کی شخصیت تھی۔ انھوں نے عظمت صحابہؓ کے جلسوں کو نئی جہت وشکل دے کر شیعیت کا غیر محسوس تعاقب کیا۔ لوگوں کو عقائد اہل سنت سے روشناس کرایا۔ عظمت صحابہؓ کے جلسوں میں شیعوں کے وہ عقائد جنھیں ناواقف لوگ اہل سنت کا شعار ومسلک متصور کرتے ہیں حضرت مفتی صاحب نے ان کو خوب اجاگر کیا، شہر کے ہر محلّہ میں ان جلسوں کا جال بچھا دیا گیا۔ صرف ایک ہی حلقہ میں تیس سے زائد جلسہائے عظمت صحابہؓ منعقد ہوئے اور یہ سب حضرت مفتی صاحب کی فکروں کا نتیجہ تھا۔ عظمت صحابہؓ حضرت مفتی صاحب کی پہچان بن چکی تھی، انھوں نے اس سلسلہ میں انتھک کوششیں کی، شہر میں عظمت صحابہؓ کے کئی مرکزی اجلاس منعقد کروائے، سٹی جمعیۃ کے پلیٹ فارم تلے غالباً ۲۰۰۸ء میں مغل پورہ پلے گراؤنڈ پر پہلا اجلاس حضرت امیر ملت مولانا محمد حمید الدین عاقل حسامیؒ کی صدارت میں منعقد ہوا، اس کے بعد یہ سلسلہ بلا توقف جاری رہا۔ اسی نام سے کل ہند نعتیہ ومدح صحابہؓ مشاعرے بھی ہوئے، جس کی حضرت مفتی صاحب صدارت فرمایا کرتے تھے، ہر سال بہ پابندی یہ مشاعرے ہوتے رہے، کورونا وبا کے پیش نظر اس سلسلہ کو موقوف کر دیا گیا۔ غرض عظمت صحابہؓ واہل بیت اطہارؓ کے سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب نے اپنی فکرمندی کے ذریعہ ہزاروں مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح فرمائی اور صحابہ کرامؓ سے لگاؤ وتعلق پیدا کیا۔

شہر حیدرآباد میں فضائل حضرت امیر معاویہؓ پر ایک اجلاس رکھا گیا؛ مگر حاسدین ودشمنان حضرت معاویہؓ نے اس جلسہ کے انعقاد میں کافی رکاوٹیں پیدا کر دیں جس کی وجہ سے وہ اجلاس نہ ہوسکا۔ حضرت مفتی صاحب کو اس کا بڑا قلق رہتا تھا اور اس کا تذکرہ بھی کیا کرتے تھے، رجب ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۰ء میں جب مسجد نزہت ٹپہ چبوترہ میں تحریک غلامان صحابہؓ کے بینر تلے جلسہ فضائل و

مناقب حضرت امیر معاویہؓ منعقد کیا گیا تو اس اجلاس میں اپنی صحت کی ناسازی اور دوسرے تقاضوں کے باوجود تشریف لے آئے اور خوب حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: یہ ہم شہریان حیدرآباد پر ایک قرض تھا جو آج الحمدللہ اتر گیا اور ہم سب کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہوگیا۔

خدمت خلق

حضرت مفتی صاحب نے خدمت کے کسی بھی میدان سے خود کو دور نہیں رکھا؛ بلکہ خلق خدا کی ہر محاذ پر خدمت کرتے رہے، خدمت خلق کے میدان میں بھی آپ کی نمایاں خدمات رہیں، آپ نے ۲۰۰۹ء میں کرنول سیلاب کے موقع پر اسی طرح حالیہ ۲۰۲۰ء کے حیدرآباد سیلاب کے موقع پر اور کئی مواقع پر آپ کی خدمات نہایت تابندہ رہیں، آپ نے عثمان نگر اور ہر نشیبی علاقہ کا دورہ کرکے خدمت خلق کا فریضہ انجام دیا۔ وفات سے قبل ۲۰۲۱ء میں کوکن سیلاب متاثرین کے لیے کارکنان جمعیۃ نے آپ کی سرپرستی میں بڑی فکرمندی کے ساتھ کام کیا۔ آپ شہر حیدرآباد کے نہایت متحرک اور فعال ادارہ ''آل انڈیا بیت الامداد چیرٹیبل ٹرسٹ'' کے سرپرست بھی تھے۔

اسی طرح لوگوں کے مسائل کرنے میں آپ کافی مقبول تھے، لوگ اپنے مسائل آپ کے پاس لاتے اور آپ بڑی سنجیدگی کے ساتھ ان مسائل کو حل فرماتے تھے، آپ کی کونسلنگ بڑی معروف تھی، ہر لائن کی کونسلنگ کرتے تھے اور بین زوجین معاملات کی تو آپ کے یہاں بھرمار ہوتی اور آپ کئی کئی نشستوں میں ان مسائل کو حل فرماتے، اپنے مصروف ہونے کا کبھی حیلہ نہ کرتے اور نہ ہی کسی کے ساتھ کوئی ناگواری کا معاملہ کرتے۔

سرفرازی یوں ہی نہیں ملتی ہے

اللہ تعالیٰ دنیا میں ہر کسی کو سرفرازی عطا نہیں فرماتا ہے اور سرفرازی بغیر قربانی وخوف خدا کے ملتی بھی نہیں ہے۔

الغرض آپ کی زندگی دینی وملی خدمات سے لبریز رہی، کئی دینی اداروں اور ملی تنظیموں کے سرپرست تھے۔ کئی تحریکوں میں آپ کے وجود سے دم خم تھا، آپ جہاں بھی گئے اور جہاں بھی رہے دینی وملی خدمات کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے رکھا، اکابر وصلحاء کے طرز کے عین مطابق اپنی زندگی گزارتے رہے، علم کی شمعوں کو روشن کرتے رہے، جام معرفت پلاتے رہے، لوگوں کو اللہ اللہ

کراتے رہے، لوگوں کو کام پر لگاتے رہے، چھوٹوں کی سرپرستی وحوصلہ افزائی کرتے رہے، بزرگوں سے گہرا تعلق رکھتے رہے۔ مسلک حق کی خوب ترجمانی کرتے رہے۔ فرق ضالہ کا تعاقب کرتے رہے۔ پوری زندگی خدمت قرآن سے وابستہ رہے۔ اہل اللہ کے منہج ومزاج کی عکاسی کرتے رہے۔ اور یہ بھی ایک المیہ ہے کہ لوگوں نے آپ کی ویسی قدر نہیں کی کہ جو آپ کی شایان شان تھی، آپ کی رحلت کے بعد آپ کی شخصیت سب پر کھل کر سامنے آئی اور آپ کی ضرورت واہمیت اجاگر ہونے لگی۔ آپ کے جنازہ نے عنداللہ وعندالناس آپ کی مقبولیت کا کھلا ثبوت پیش کیا۔ بہرحال تین ماہ کی طویل علالت کے بعد خدائے قیوم نے اپنی جائے پناہ میں آپ کو بلوالیا اور آپ اپنی تھکاوٹوں کو دور کرنے اور حقیقی آرام کرنے کے لیے ۸؍محرم الحرام ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۸؍اگست ۲۰۲۱ء بہ روز چہارشنبہ رات ۳؍بجے اپنے محبوب حقیقی سے شرف لقاء حاصل کرگئے۔

آہ کو چاہیے ایک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہوجائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

❁ ❁ ❁